به سلسلهٔ تبلیغ نمبر ۵

الصلوٰۃ والسلام

علے

سید الانبیاء الکرام

مصنفہ

حضرت علامہ مولانا سید محمد ہاشم صاحب مدظلہ

منجانب

جماعت اہلسنت کراچی

مطبوعہ مشتہور پریس کراچی

جماعت اہلسنّت کراچی

مقصد یہ ہے کہ اس پرفتن دور میں مذہب حقہ اہلسنت وجماعت کی تحریری وتقریری طور پر زیادہ سے زیادہ خدمت کی جائے اور حق کی آواز لوگوں تک پہنچائی جائے۔ اگر آپ اس سے متفق ہیں تو جماعت کے ساتھ تعاون فرماکر اپنی خدمات پیش کرکے سعادت دارین حاصل فرمائیں

فَجَزَاکُمُ اللّٰہُ خَیْرَ الْجَزَآء

87677

شکریہ

جماعت اہلسنت کراچی حضرت علامہ مولانا سید محمد ہاشم صاحب کا شکریہ ادا کرتی ہے کہ انھوں نے جماعت کی سرپرستی فرماتے ہوئے قلمی معاونت فرمائی ہے حضرت موصوف نے اس سے پیشتر بھی ایک رسالہ ایصال ثواب لکھ کر جماعت کو مرحمت فرمایا جو سلسلہ تبلیغ ۲۰ چھپ کر منظر عام پر آچکا ہے۔ قابل دید رسالہ ہے

فَجَزَاہُ اللّٰہُ خَیْرَ الْجَزَآء

محمد اسمٰعیل شیخ ناظم اعلیٰ جماعت اہلسنّت کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی حَبِیْبِکَ وَاٰلِہٖ

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

ترجمہ۔ تحقیق اللہ اور اللہ کے فرشتے صلوٰۃ بھیجتے رہتے ہیں نبی پر۔ اے ایمان والو تم صلوٰۃ و سلام بھیجو ان پر بار بار

آیت زیرِ عنوان خالقِ قیوم و رحمٰن کا کھلا فرمان ہے۔ جو قرآن مجید یعنی وحیِ تلاوت کے کلمات ہیں صرف مومنین اس کے مخاطب ہیں۔ اور صحیح ایمان کے اثر سے وہ اس حکم کی تعمیل اور اس فرمان الٰہی کی بجاآوری میں اپنے قلب و روح کو ہمیشہ آمادہ اور مستعد پاتے ہیں۔ یہی نہیں، بلکہ اس حکم کے اعلان کو سن کر خوشی و رنج اور اس کی تعمیل میں رغبت و کوتاہی سے مدعیان ایمان کے دعووں کا کھرا پن معلوم ہوتا ہے ان کے ایمان کی قوت ضعف دریافت ہوتی ہے۔ جن قلوب میں ایمان کی تجلیات دیکھی ہیں نبی مکرم روحی فداہ صلے اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام بھیجنے میں غفلت کرتے ہیں جو ضعیف الایمان ہیں فریضہ صلوٰۃ و سلام کی ادائگی میں کوتاہ و قاصر ہیں۔ جو ایمان سے

محروم ہیں، صلوٰۃ وسلام سے ناراض ہوتے ہیں۔ اور اس کی مخالفت کرتے ہیں۔
اور جو منافق ہیں، طرح طرح کے حیلے بہانے سے صلوٰۃ وسلام بھیجنے اور صلوٰۃ
وسلام کی محفل کی شرکت سے خود بھی رُکتے ہیں، اور دوسروں کو بھی روکتے ہیں۔
کیونکہ فرمان صلوٰۃ وسلام کی مخاطبت ایمان والوں سے ہے۔ اور اس حکم کی بُنیاد
ایمان ہے۔ کوئی صاحب ایمان کسی ایسے عمل کی راہ میں حائل نہیں ہوگا۔ جو
اس حد تک محبوب ومطلوب الٰہی ہو کہ ذات حق اپنے فرشتوں کے ساتھ اس عمل کی
مداومت رکھے۔ اور اپنے پسندیدہ بندوں یعنی مومنین کو اس کارِ عظیم وبزرگ میں
شرکت و ہم زبانی کی دعوت دے۔ تمام مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ حضور سید عالم
صلے اللہ علیہ وسلم افضل المخلوقات سید المرسلین ہیں آپ ہی فخر کونین ہیں اور تمام
مظاہر کن فیکون کی جان ہیں۔

جب تکریم آدم میں تمام مخلوقات ارضی وسماوی بالخصوص ملائکہ رب
ادائے سجدہ پر مامور ہوئے عزازیل انکار سجدہ سے مردود بارگاہ اور رجیم ٹھہرا
حالانکہ اس تکریم آدم میں عملاً نہ ذات الٰہی شریک تھی، اور نہ روح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم
سجدے پر مامور تھی بعض روایتوں اور بیانوں سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس سجدہ سے
مقصود حقیقت محمدیہ علیہ الثناء والتحیہ کا سجدہ تھا۔ جو بطور امانت وجودِ آدمؑ
میں مخفی تھی۔

لیکن صاحب لولاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم وتکریم کیلیے بارگاہ صمدیت سے

جو فرمان صلوٰۃ وسلام صادر ہوا اس کو بروئے کار لانے اور معمول بنانے میں فرشتوں کے ساتھ خود فرماں روا بھی شریک ہے۔

لہذا صلوٰۃ وسلام کی طرف سے غفلت، کوتاہی اور انکار کی سزا سجدۂ آدم ؑ کے انکار سے زیادہ سخت ہونی چاہیے یا کم از کم برابر کی سزا تو ضرور ہوگی۔

نیز سیدنا آدم و سیدنا محمد علیہما الصلوٰۃ والسلام کے مقامات کا امتیاز و فرق اور دونوں کی تکریم کے فرامین کا انداز و طرز تو یہی چاہتا ہے کہ صلوٰۃ وسلام میں کوئی کمی و کوتاہی نہ ہو۔ اور منکر زیادہ سے زیادہ سخت سزا کا مستحق ٹھہرے کیونکہ تکریم آدم ؑ میں صرف اللہ کا زبانی فرمان ہے۔ اور تکریم محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں بارگاہ صمدیت قولاً و فعلاً متوجہ اور شریک ہے۔

استمرار و دوام

بعض لوگوں کو "یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ" کے مفہوم میں استمرار و دوام سے انکار ہے۔ مگر ان کا یہ خیال عربی زبان کے قواعد فصاحت و بلاغت کے موافق نہیں۔ بلکہ خلاف ہونے کی وجہ سے غلط ہے۔

کیونکہ "یُصَلُّوْنَ" فعل مضارع ہے جو حال و استقبال دونوں کو شامل ہوتا ہے اسم فاعل بھی اگرچہ استقبال کا مفہوم رکھتا ہے۔ مگر مضارع اور اسم فاعل میں فرق یہ ہے کہ تمام فعل کے بعد فاعل کی جو حاصل شدہ کامل ہیئت ہوتی ہے، اگر وہ ہیئت

زمانہ مستقبل میں پائی جائے تو اس کا اظہار اسم فاعل کے ذریعے سے کیا جاتا ہے اور اگر فعل کا انقطاع نہیں ہوا اور زمانہ مستقبل میں اجرائے عمل و استمرار فعل کا اظہار مقصود ہو تو اس کے لیے فعل مضارع لاتے ہیں۔

چنانچہ علمائے ادب و بلاغت فعل مضارع اور اسم فاعل کے درمیان مذکورہ فرق بیان کرنے کے بعد آیت قرآنی "وَ كَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ" کو دلیل و سند میں پیش کرتے ہیں۔ یعنی "باسط" اسم فاعل ہے معنی یہ ہوا کہ اصحاب کہف کا کتا بیٹھنے کی درمیانی حالت میں نہیں ہے۔ اور نہ یہ بات ہے کہ بیٹھنے کا فعل ہنوز نا تمام و نامکمل ہے۔ بلکہ بیٹھنے کا فعل کامل ہو کر ختم ہو چکا اور ہیئت نشست تمام و کامل ہو چکی ہے۔ اب یہ حاصل شدہ کامل ہیئت مستقبل میں پائی جائے گی۔

اگر "باسط" کی جگہ فعل مضارع "یَبْسُطُ" آتا تو اس کا مفہوم یہ ہوتا کہ سگِ اصحاب کہف بیٹھنے کی درمیانی حالت میں ہے۔ پوری طرح بیٹھا نہیں ہے بلکہ بیٹھنے کے عمل میں مشغول ہے۔ حالانکہ واقعہ یہ نہیں ہے۔ کتا نشست مکمل کر چکا اور تا قیامت زمانہ مستقبل میں اس کی حاصل شدہ ہیئتِ نشست قائم رہے گی۔
(دلائل الاعجاز)

قرآن مجید کا اعجاز تو یہی ہے کہ کلمات کے انتخاب میں بھی بال جیسے باریک فرق کا لحاظ رکھتا ہے۔

اسم فاعل اور فعل مضارع کا فرق معلوم ہو جانے کے بعد "یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ" کا معنی واضح ہو جاتا ہے کہ بارگاہ احدیت سے مطاع کل فخر رسل علیہ الصّلوٰۃ والسّلام پر صلوٰۃ وسلام کا ارسال کامل ہو کر منقطع نہیں ہوا۔ اور درود وسلام کا جو تاج محبوب بارگاہ کے زیب سر ہوا، آپ کی آراستگی و پیراستگی مستقبل میں اسی ایک اور پہلے تاج عظمت سے وابستہ نہیں ہے۔ بلکہ جس طرح محب حقیقی جل مجدہ ہر آن نئی شان میں کل یوم ہو فی شان اپنے محبوب کو صلوٰۃ وسلام کے نئے جلووں سے مزین وآراستہ کرتا رہتا ہے۔ اور بارگاہ صمدیت سے صلوٰۃ وسلام کی آمد استمراری ودوامی ہے ؎

تمہاری ذات، ذات حق کا جلوہ
تمہاری معرفت، عرفان کامل
(شمیم)

صلوٰۃ وسلام کی فرضیت

"صَلُّوْا وسَلِّمُوْا" امر کے صیغے ہیں اور امر ہمیشہ وجوب وفرضیت کے لیے بولا جاتا ہے۔ اِلّا یہ کہ فرضیت کے خلاف کوئی جداگانہ دلیل یا کوئی قابل یقین قرینہ یا دلیل موجود ہو۔ اس آیت میں فرضیت و وجوب کے خلاف کوئی قرینہ یا دلیل موجود نہیں ہے۔ بلکہ جس اہتمام سے "صَلُّوْا وَسَلِّمُوْا" کا حکم دیا گیا ہے اور "تَسْلِیْمًا" سے اس حکم کو مؤکد ومستحکم کیا گیا ہے اور حکم سے پہلے بطور تمہید اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے فرشتوں کی صلوٰۃ کا ذکر ہے عقل ودین اور صورت ومعنی کا تقاضا یہ ہے کہ

یہاں امر کو وجوب و فرضیت ہی کے لیے متعین کیا جائے۔

لہٰذا درود و سلام کی مطلق فرضیت کی بحث فضول اور غیر ضروری ہے۔ صلوٰۃ و سلام کی نفس فرضیت میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں نکلتی۔ درود و سلام کی فرضیت و استحباب کے بارے میں اگر علما کے درمیان کوئی اختلاف پایا جاتا ہے تو وہ خاص خاص مواقع اور محل میں درود کی فرضیت و استحباب کے متعلق ہے۔

صلوٰۃ و سلام کا ثواب

درود و سلام سے متعلق امر الٰہی کی تعمیل خاص موقع و محل میں اگر مستحب بھی تسلیم کریں، پھر بھی صلوٰۃ و سلام کا ثواب ہمیشہ فرض عبادات اور فرض صلوٰۃ و سلام کا ملے گا۔ اور اعمال میں فرائض کا ثواب سنت و نفل عبادات سے زیادہ ہوتا ہے۔

درود شریف کی فرضیت و استحباب میں اختلاف کا نتیجہ صرف اس قدر ہے کہ خاص خاص موقعوں میں اگر کوئی شخص درود شریف نہ پڑھے تو کیا حکم ہے؟ کیا وہ فرض کا تارک کہلائے گا؟ اور ترک فرض کے جرم میں ماخوذ ہو کر مستحق سزا ٹھیرے گا۔ یا ان موقعوں میں صلوٰۃ و سلام کے ترک پر کوئی مواخذہ اور گرفت نہیں ہے؟

جو لوگ درود شریف نماز میں فرض قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک درود شریف کے بغیر نماز ہی نہیں ہو گی۔ لہٰذا بے درود نماز جب نماز نہ ہوئی، تو تارک درود

تارکِ نماز ٹھیرا، اور وہ سخت عذاب کا سزاوار ہے۔

اور جو لوگ نماز میں درود شریف کو سنت و مستحب کہتے ہیں انکے نزدیک بغیر درود نماز تو ہوجائے گی مگر ناقص ہوگی، اور وہ اجر و ثواب نہیں ملے گا جو نماز کامل کے لیے موعود و مقرر ہے۔

یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ قبول دعا کے لیے درود شرط ہے۔ جو نماز درود سے خالی ہوگی بارگاہ حق میں نامقبول ہوگی۔ فرض تو گردن سے اُتر جائے گا۔ مگر انجام میں ادائے فرض کے ثواب سے محرومی رہے گی۔

اور یہ اس لیے کہ اصطلاح شریعت میں نماز بھی تو دعا ہے۔

ثوابِ درود فرض کے برابر ہے

صلوٰۃ وسلام کو خاص موقعوں میں سنت و مستحب ماننے کے بعد بھی انکا ثواب ہمیشہ فرض عبادت کا ثواب ہے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے لیے مندرجۂ ذیل قاعدے کو ذہن نشین ہونا چاہیے۔

قاعدۂ کلیہ

جن احکام قرآنی کی تعمیل فرض ہے، وہ دو قسم کے ہیں

اوّل احکامِ معین یعنی وہ فرائض و احکام جن کی تعمیل میں زمان و مکان کی یا عدد کی

قید لگی ہوئی ہے۔ مثلاً

نماز زمانہ اور تعداد رکعات کی قید لگی ہوئی ہے۔

روزہ قیدِ زمانی کے ساتھ فرض ہے۔

حج زمان ومکان کی قید کے ساتھ فرض ہے۔

زکوٰۃ زمانہ (مرورِ سال) عدد (مقدار نصاب) کی قید کے ساتھ فرض ہے۔

فرضِ معیّن کا ثواب

ایسے تمام فرائض جن کی فرضیت میں زمان، مکان یا عدد کی شرطیں ملحوظ ہیں جب ان حدود وقیود کے ساتھ ادا ہوں گی توان پر فرض عبادت بجالانے کا ثواب ملے گا۔

ان قیود کے بغیر اگر ان فرائض کے مماثل ومشابہ اعمال ادا کیے جائیں تو وہ یا سنتیں ہوں گی یا مستحبات ہوں گی۔

شریعت میں سنتوں اور مستحبات کا ثواب واجر فرض سے کم ہوتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص رمضان المبارک کے علاوہ دنوں میں اگر روزے رکھے تو اس کے یہ روزے یا تو سنت ہوں گے یا مستحب، یہی حال حج، صدقات اور نمازوں کا ہے۔

فرائض اور نوافل کے درمیان معیار اجر میں فرق کی وجہ ظاہر ہے۔

فرض کے ترک پر چونکہ عذاب سخت کی وعید ہے، لہذا اس کے ادا پر ثواب کا معیار بھی اعلیٰ ہو گا۔ چنانچہ اس مسئلے میں تمام علمار کے درمیان کامل اتفاق ہے۔ کوئی معمولی اختلاف بھی نہیں ہے۔

دوم۔ غیر معین احکام و فرائض۔ قرآن مجید میں بعض ایسے احکام بھی ہیں، جن کی بجاآوری میں زمان، مکان اور عدد کی کوئی قید نہیں ہے مثلاً جہاد، کافروں سے قتال، یعنی جہاد بالسیف، جہاد بالقلم، جہاد بالموعظة الحسنہ فرائض تو ہیں، مگر ان کی ادا کے لیے نہ زمان کی تعیین ہے نہ مکان کی قید ہے اور نہ قتال کی تعداد معین ہے۔ کہ ہر شخص کو فلاں زمانے میں یا فلاں خاص مقام پر جہاد کرنا فرض ہے۔ یا زندگی میں اتنی دفعہ جہاد اسلامی فریضہ ہے اسی طرح نماز جنازہ ہے جس کی فرضیت مسلم ہے۔ مگر یہ فرض قیود و شروط زمانی و مکانی و عددی سے بری ہے

کچھ لوگوں کے ادا کرنے سے امت مؤاخذہ و عذاب سے محفوظ ہو جاتی ہے مگر ادائے نماز جنازہ پر ہر بار ادائے فرض کا ثواب ملتا ہے۔

غیر متعین فرائض کا ثواب

جو فرائض و احکام غیر معین ہیں ان کی تعمیل میں وسعت و گنجائش رکھی گئی ہے۔ اور مومن کے جوش ایمانی، اخلاص عقیدت، قوت عمل

اور جذبۂ محبت دینی پر اعتماد کر کے ان فرائض کو شارع علیہ السلام نے ہر قید سے مستثنیٰ اور بری رکھا ہے۔

ان غیر معین فرائض میں ایک طرف تو وسیع سہولت اور بے اندازہ گنجائش ہے کہ اس کی ادائگی میں انسان کو آزادی ملی ہے زمان و مکان موقع و محل عدد و شمار کی کوئی پابندی نہیں۔

دوسری طرف ان فرائض کو اجر و ثواب کے لحاظ سے یہ امتیاز حاصل ہے کہ دین کا فدائی کتاب و سُنّت کا شیدائی جب کبھی جہاد و قتال جیسے غیر معین فرائض کی بجا آوری کے لیے میدان عمل میں نکلے گا تو ہمیشہ اس کو عبادت واجبہ کی ادا کا ثواب و اجر ملے گا۔

چنانچہ ایک مجاہد اپنے ہر قتال میں "قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ" کا فریضہ ادا کرتا ہے اور جہاد فرض کے ثواب سے سرفراز ہوتا ہے۔

انھیں غیر متعین فرائض میں درود و سلام بھی ہیں۔ اللہ رب العزت نے درود و سلام ہر مومن پر فرض کر دیا، مگر زمان، مکان اور عدد کی قید سے ان کو مستثنیٰ رکھا۔ بعض علمار کہتے ہیں کہ کسی نے اپنی تمام زندگی میں اگر ایک بار بھی حضور صاحب لولاک پر صلوٰۃ و سلام بھیج دیا، تو ادائے فرض سے سبکدوشی ہو جاتی ہے۔ اور ترک فرض کے جرم میں ماخوذ نہیں ہوگا۔

دوسری طرف صلوٰۃ و سلام وہ نعمت عظمیٰ اور وسیلۂ کبریٰ ہے کہ بندۂ مومن

جہاد کی طرح اپنے ہر صلوٰۃ وسلام پر فرض صلوٰۃ وسلام کا ثواب حاصل کرتا ہے۔

ایک نکتہ

آیت زیب عنوان کے طرز بیان اور اس کی تمہیدی شان سے ظاہر ہوتا ہے کہ صلوٰۃ وسلام میں اللہ بزرگ و برتر کی رضا دپسند کا اقتضا تو یہ تھا کہ اس فریضہ کو تمام فرائض پر مقدم رکھا جائے۔ اور اس کے تارک کو دوسرے تمام گنہ گاروں سے زیادہ سزاوار عذاب قرار دیا جائے۔

مگر درمیان میں رَحْمَۃٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی سراپا رحمت ذات آگئی ہے، لہٰذا ان کی بارگاہ میں صلوٰۃ وسلام بھیجنے کا ثواب تو بیش از بیش ملے لیکن صلوٰۃ وسلام میں غفلت کیشوں کو مؤاخذہ سے بچایا جائے تاکہ رحمۃ للعالمین کے دامن رحمت پر کوئی حرف نہ آئے۔ اور ان کی وجہ سے کوئی مبتلائے عذاب نہ ہو۔ تارکین صلوٰۃ کی یہی محرومی کیا کم ہے کہ وہ بارگاہ رحمت پناہ سے دور ہیں۔ اور اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ" کے حلقہ سے خارج ہیں۔

حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں۔ تمام مومنین صلوٰۃ وسلام کے مامور ہیں۔ اور جیسا کہ آئندہ حدیثوں سے معلوم ہوگا کہ رحمۃ للعالمین کے تقرب کا ذریعہ صرف صلوٰۃ وسلام ہے، لہٰذا جو صلوٰۃ وسلام سے غافل ہے وہ رحمۃ للعٰلمین کی بارگاہ سے دور ہے۔ اور جو صلوٰۃ وسلام کی مداومت وکثرت رکھتا ہے وہ رحمۃ للعٰلمین سے

قریب ہے، یہاں بھی اور قیامت میں بھی۔ مومنین کی شان تو یہی ہوگی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے فرمان "صَلُّوْا وَسَلِّمُوْا" کی پوری پوری نگرانی کریں، اور "اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ" کی نعمت وفضیلت سے سرفراز ہوں۔

صلوٰۃ وسلام کے طریقے

قرآن مجید میں صلوٰۃ وسلام کا حکم ہے مگر اس حکم کی تعمیل کے سلسلے میں چند امور ایسے بھی ہیں جن کی تشریح نہایت ضروری ہے۔

اوّل۔ صَلُّوْا (یعنی صلوٰۃ بھیجو!) اس حکم کے آغاز میں اللہ رب العزت نے تاکید وتفخیم کے لیے "اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ" کی شان دار وشکوہ پرور تمہید بیان کی لیکن ختم فرمان میں صلو کے ساتھ کوئی تاکیدی صیغہ نہیں لایا

دوم۔ سَلِّمُوْا (سلام بھیجو!) سلام کے ساتھ خاتمۂ حکم میں تاکید کے لیے تَسْلِیْمًا مفعول مطلق لایا، مگر آغاز فرمان میں سلام کیلیے کوئی تمہیدی تاکید نہیں ہے الغرض صَلُّوْا کی تاکید کے لیے جلالت نشان تمہید سے کام لیا اور سَلِّمُوْا کی تاکید کے لیے مفعول مطلق پر اکتفا کیا۔

مفعول مطلق کی اصل غرض تاکید ہے۔ یہاں تاکید کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں

الف۔ سلام کی فرضیت کو مزید قوت پہنچانا تاکہ مومنین نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجنے میں غفلت نہ کریں اور اللہ رب العزت کی عملی شرکت سے صرف صلوٰۃ کی

اہمیت کو کافی نہ سمجھیں۔

ب۔ "تسلیماً" کی تاکید کا مفہوم سلام کی کثرت و تکرار سے متعلق ہے یعنی بار بار اور بکثرت سلام بھیجو!

آیۂ کریمہ کے اس دوسرے مفہوم تاکید سے معنی یہ پیدا ہو گا کہ ہر صلوٰۃ کے ساتھ سلام کا ہونا ضروری ہے۔

یا ایک صلوٰۃ کے ساتھ مکرر سلام مطلوب رب ہے۔

مگر یہ کوئی نہیں کہتا، ہم دیکھتے ہیں کہ ایک صلوٰۃ کے ساتھ ایک ہی سلام بھیجتے ہیں اور کبھی صرف صلوٰۃ پر ہی اکتفا کرتے ہیں سلام نہیں بھیجتے مثلاً سیدنا حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعائے قنوت میں خاتمے پر "صَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ" تو ہے مگر سلام و تسلیم کا کوئی کلمہ نہیں ہے۔

اگر صلوٰۃ کے ساتھ سلام بھی ضروری ہوتا تو قنوت حسن میں بحالتِ قیام نمازوں میں جو "صَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ" کہتے ہیں اور حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں اس کے ساتھ "سَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ" یا صرف "سَلَّمَ" ضرور ہوتا لہذا روایات حدیث میں غور کرنے سے صلوٰۃ و سلام کی مندرجہ ذیل شکلیں نظر آتی ہیں۔

اوّل۔ "صَلوٰۃ" کے مفہوم میں "سَلَام" کا معنی بھی شامل ہے لہذا تسلیماً دونوں معانی کی تاکید کے لیے آیا ہے۔ اور صلوٰۃ سے متعلق تمہید سَلِّمُوْا کے

فرمان کی بھی تمہید د تاکید ہے۔

دوم۔ صَلُّوا کے بعد مفعول مطلق محذوف ہے اور "سَلِّمُوْا" کے بعد "تَسْلِيْمًا" کا کلمہ اس محذوف پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ مطلوب رب "صَلٰوۃ" و "سَلَامٌ" دونوں ہیں۔

سوم۔ سلام کے لیے چونکہ بہتر و اعلیٰ صورت مخاطبت کی ہوتی ہے لہذا "تَسْلِيْمًا" کہہ کر اللہ جل مجدہٗ نے مومنین پر واضح کر دیا کہ صیغۂ خطاب سے بھی نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجنے میں حاضر و غائب کی نزاع میں مبتلا نہ ہوں اور اس سلسلے میں ہر تذبذب و شک سے پرہیز کریں۔ لہذا "سَلِّمُوْا" کا حکم تاکید کے ساتھ بیان کیا۔

چہارم۔ "صَلُّوْا" کے ساتھ تمہید کا فائدہ یہ ہو کہ صلوٰۃ بھیجنے میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف نسبت و توجہ بہتر ہے جیسے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی حَبِيْبِكَ اور سلام بھیجنے میں غفلت سے تو اجتناب کریں لیکن بطور خود خطاب کر کے سلام بھیج سکتے ہیں مثلاً اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ۔

پنجم۔ مومنین اگر بصیغۂ دعا، درود بھیجیں تو زیادہ پسندیدہ یہ ہے کہ صلوٰۃ و سلام دونوں حکموں کی تعمیل ایک ساتھ ہو۔ مثلاً اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ

ششم۔ اگر بصیغۂ ماضی درود بھیجنا چاہیں تو کلمۂ "صَلٰوۃ" کافی ہے جیسا کہ قنوت حسن میں صرف "صَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ" ہے۔

اور بعض سلاسل طریقت میں "صَلَّى اللهُ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ" ہے۔ کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے "يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ" میں صرف صلوٰۃ کی نسبت اپنی طرف کی ہے۔

ہفتم۔ حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تشہد کے ذریعہ پہلے حضور پر بصیغۂ خطاب صرف سلام بھیجنے کی تعلیم دی گئی تھی۔ بعدازاں جب فرضیت صلوٰۃ کا حکم آیا تو صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے صاحب لولاک صلے اللہ علیہ وسلم سے صلوٰۃ بھیجنے کا طریقہ پوچھا اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے صلوٰۃ ابراہیمی تعلیم فرمائی۔

ان روایتوں سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ تشہد میں سلام پہلے سے موجود تھا۔ اور تمام مومنین حاضر و غائب کی نزاع و جدال سے پاک و بلند ہو کر ہمیشہ اپنی نمازوں میں بصیغۂ حاضر و خطاب فخر کونین صلے اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجتے رہے جب فرضیت درود کا حکم آیا، اور درود ابراہیمی تعلیم ہوئی جس میں سلام نہیں ہے، تو اب دو طرح کے شبہات پیدا ہو سکتے تھے۔

اوّل۔ درود ابراہیمی اختیار کر کے صحابہ تشہد میں "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ" کو ترک کر دیں گے۔

دوم۔ درود ابراہیمی میں مخاطب اللہ جل مجدہ ہے اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی حیثیت غائب کی سی ہے لہٰذا مومنین مخاطبت حضوری سے رک جائیں گے

اللہ کریم و مفضال نے "سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا" فرما کر دونوں ممکن پہلوؤں کو رد کر دیا اور بصیغۂ خطاب و حضور "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ" کو برقرار رکھا۔

بہ الفاظ دیگر "السَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ" یعنی حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسّلام پر سلام بھیجنا اب تک وحی غیر متلو یعنی حدیثوں کی بنیاد پر ایک اہم فعل تھا "سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا" فرما کر اس عمل خیر وسعادت کو وحی متلو یعنی قرآن کے اندر داخل کر دیا، اور بارگاہ محبوب تک پہنچنے کی ایک مزید رہ نمائی فرمائی یعنی صَلُّوْا کا اضافہ کر دیا۔

جو لوگ بہ صیغۂ خطاب وحضور صاحبِ لولاک صلے اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے سے منع کرتے ہیں، اور اس عمل کو شرک و بدعت کہتے ہیں یا ان کے دل میں تذبذب و شک ہے، اور تشہّد میں کلمۂ "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ" کو اپنی طرف سے تسلیم وعرض سلام نہیں قرار دیتے ہیں بلکہ اس کلمۂ خیر وسعادت کو محض حکایت اور واقعۂ معراج کی نقل کہتے ہیں، وہ بلا شبہ سخت غلطی میں مبتلا ہیں ایسے لوگ اگر علماء ہیں تو بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ ان کے علم نے الفاظ وحروف سے ترقی کر کے نور و تجلی اور روشنی کا مقام حاصل نہیں کیا ہے۔

کیونکہ ان حضرات کی بدعت آفرینی وشرک گوئی آیت قرآنی اور اس کے متعلق مروی صحیح حدیثوں کے خلاف ہے۔

حدیثیں صاف بتا رہی ہیں کہ کلمۂ "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ" میں صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنی طرف سے حضور صاحب لولاک پر سلام بھیجتے تھے، اور حکم قرآنی سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا کی تعمیل کرتے تھے صلوٰۃ بھیجنے کا طریقہ

ان کو معلوم نہ تھا جس کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے یہ تلامذہ رسول علیہ علیہم السلام حضور کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ نے درود ابراہیمی ان کو سکھایا۔ اس طرح صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا کی تعمیل و بجاآوری ہوئی ہے جو از روئے قرآن ہر مومن پر فرض ہے اور عہد صحابہ سے آج تک جاری ہے۔

حق تو یہ ہے کہ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ محض حکایت ونقالی نہیں ہے بلکہ ہر نمازی کمال اخلاص اور کامل نیت وارادہ کے ساتھ ان کلمات میں اپنی عبدیت و بندگی کا اقرار کرتے ہوئے اپنی تحیات وصلوات وطیبات کو بارگاہ الٰہی میں پیش کرتا ہے اور کلمۂ توحید کے جزو اول لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی زبان وعمل سے تصدیق کرتا ہے۔ اسی طرح اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ" میں "سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا" کے حکم کی تعمیل کرتا ہے۔ کمال اخلاص اور کامل ارادہ ونیت کے ساتھ بارگاہِ رسالت میں سلام ورحمت وبرکات کے نذرانے گزارتا ہے گویا یہ کلمۂ توحید کے جزو ثانی مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی زبان وعمل سے تصدیق ہے۔ اپنے ان دونوں ہدایا کے ذریعے جب اللہ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رضا حاصل ہوگئی تو اس لمحہ سعید سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کے لیے اپنے اور دیگر صالح بندوں کیلئے سلامتی کی دعا کرتا ہے۔ "اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ"

اگر تشہد میں نمازی کی یہ نیتیں نہیں ہیں تو اس سے دو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں

اوّل وہ ساری حدیثیں جو آیت صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا سے متعلق ہیں بے ربط و بے معنی ہو جائیں گی اور ان کا انکار لازم آئے گا۔

دوّم نمازی کی نماز ادائے فرض کے بدلے نقالی ہو کر رہ جائے گی۔

اس سے کوئی فرق نہیں آتا کہ تشہد واقعۂ معراج کی یادگار ہے بندہ اس تشہد کو اپنانیکا پابند ہو اور اللہ بزرگ و برتر کا بے اندازہ احسان و فضل ہے کہ اس نے جب بارگاہ رسالت میں صلوٰۃ و سلام بھیجنا ہم پر فرض کیا تو ساتھ ہی ساتھ سلام تحیت کی اعلیٰ و افضل نوعیت کو ہمارے لیے پسند فرمایا۔ یعنی تشہد۔ اس طرح معراج المومنین یعنی نماز معراج محمدی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی تجلیات سے جگمگانے لگی۔

سلام حضوری

حیرت ہے کہ علمیت کے ادّعائے بعد بھی کچھ لوگ "یا نبی سلام علیک" پر معترض ہوتے ہیں۔ اور اس کو شرک و بدعت کہتے ہیں۔ اور اپنے اس اعتراض کو برحق ثابت کرنے کے لیے وہ دو طریقے اختیار کرتے ہیں

اوّل "یا نبی سلام علیک" حاضر و خطاب کا صیغہ ہے۔ آستانۂ نبوت و روضۂ انور سے دور رہ کر صیغۂ خطاب سلام بھیجنا جائز نہیں۔ کیونکہ حاضر و ناظر صرف اللہ تبارک و تعالیٰ ہے۔ اس کے سوا کسی مخلوق کو دور و نزدیک سے باخبر سمجھنا اور حاضر و ناظر کہنا شرک ہے۔

دوم "یا نبی سلام علیک" کے کلمہ کے ساتھ قرآن و حدیث میں سلام بھیجنے کی روایت نہیں ہے لہذا بدعت ہے۔

یہ دونوں دلیلیں اتنی مہمل اور لغو ہیں کہ اگر کسی صحیح الحواس عالم کی طرف منسوب کی جاتیں تو یقیناً وہ اپنی سخت توہین سمجھتا مگر آج کل بعض افراد جو لمبی چوڑی سندیں دکھاتے ہیں ایسی ہی دلیلوں پر فخر کرتے ہیں اور اپنی علمیت کا قلعہ تعمیر کرتے ہیں یا للعجب!

پہلی دلیل یہ دلیل غلط ہے۔ کیوں کہ نماز جو خالصتہً اللہ رب العزت کی یاد و ذکر ہے" اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ" (نماز میری یاد کے لیے قائم کرو۔ قرآن) اس میں "سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا" کہہ کر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجنا فرض کر دیا گیا ہے۔ اور بندوں کی توجہ جو تنہا اللہ ربُّ العزّت پر مرکوز رہنی تھی اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ۔ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ (اللہ کی اس طرح عبادت کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو، اور اگر اس کو نہیں دیکھتے تو وہ تم کو دیکھتا ہے۔ (حدیث) اندرون نماز رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف توجہ پھیری جا رہی ہے تاکہ ان کی خدمت میں عرض سلام ہو، اور سلام بھیجنے کا طریقہ بھی بڑا روح نواز ہے یعنی حضور و خطاب کے صیغے سے

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ"

یہی سلام صحابہ اپنی نمازوں میں عرض کرتے رہے جب وہ حضور کے

ساتھ ہوتے۔ اور اس وقت بھی ان ہی کلمات میں سلام عرض کرتے جب وہ تنہا نماز پڑھتے مسجد میں یا اپنے گھروں میں اور یہی سلام اس وقت بھی عرض کرتے جب وہ حضور سے منزلوں دور سفارت، جہاد یا دوسری اغراض سے کہیں اور تشریف لے جاتے اور یہی سلام بصیغۂ خطاب شرق، غرب، شمال، جنوب کے تمام مسلمان اپنی نمازوں میں پیش کرتے ہیں۔

اس سلام سے حاضر و ناظر کا عقیدہ پیدا ہوتا ہے تو ہو، دین تو وہی ہے جسے قرآن و حدیث دین کہیں۔ خواہ کسی صاحب کو یہ ناپسند ہو اور وہ اسے شرک قرار دیں۔ اگر اس سلام سے حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے حق میں علم غیب ثابت ہوتا ہو تو ہونے دو! دین تو یہی رہے گا جو خدا و رسول کی تعلیم ہو اس کے خلاف صورت کسی کی نگاہ میں بہتر معلوم ہوتی ہے تو اس کی نگاہ کا قصور ہے اور سراسر گمراہی ہے۔

حاضر و ناظر کا مسئلہ بھی عجیب ہے۔ قرآن نے تو ہمیں یہ سبق دیا ہے۔ وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ۔ (ان لوگوں سے کنارہ کش رہو جو اللہ کے نام میں الحاد کرتے ہیں) لہٰذا کسی کو اس کا حق نہیں ہے کہ اپنی طرف سے اللہ رب العزت کے اسمائے حسنیٰ میں اضافہ یا کمی کرے۔ ایسا عمل الحاد کہلائے گا اب ذرا اللہ جل مجدہٗ کے ننانوے ۹۹ ناموں کو جنھیں اسمائے حسنیٰ کہتے ہیں غور سے دیکھ جائیے۔ آپ کو اس پاک اور مقدس فہرست میں حاضر ناظر نام نہیں ملیں گے

کیا ظلم ہے کہ لوگ اپنی طرف سے اللہ رب العزت کو دو مزید نام عطا کرنے کی جرأت کریں ۔ اور جو کوئی ان کے ان نئے ناموں سے اللہ کو نہ پکارے اور اللہ کے حق میں ان ناموں کو خاص تسلیم نہ کرے اس کو یہ لوگ الٹا مشرک اور بدعتی کہتے ہیں

اللہ رب العزت کو ہم علیم وخبیر ، سمیع وبصیر جانتے ہیں بعض لوگ معنوی لحاظ سے حاضر وناظر دو مزید نام مذکورہ اسماء سے اخذ و اختراع کرکے اللہ تعالےٰ کو ان خود ساختہ ناموں سے پکارتے ہیں پھر بھی یہ نام اللہ رب العزت کے حق میں خاص نہیں کہلائیں گے ۔

کیونکہ حاضر وناظر ناموں کے اصول و بنیادی اسماء کی نسبت جب غیر اللہ کی طرف ہوتی ہے اور قرآن مجید نے ان اسماء کی اضافت ماسوی اللہ کی طرف کی ہے تو پھر ان اسمائے عامہ سے جو نئے دو نام نکالے جائیں گے ان پر خصوصیت وتعین کا حکم کیونکر لگایا جا سکتا ہے ۔

نیز حاضر وناظر جیسے نئے ناموں کو خاصہ باری تعالیٰ کہنا حدیثوں اور واقعات کے سراسر خلاف ہے ۔

ملک الموت ہر جاندار کے لیے حاضر وناظر ہے ۔ اور اسی کتاب میں آگے چل کر آپ پڑھیں گے کہ اللہ رب العزت نے ایک فرشتہ اس کام کے لیے پیدا کیا ہے کہ وہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے آستانۂ عظمت میں متعین ہے اور اس فرشتے کی

خاص صفت یہ ہے کہ تمام خلائق کے نام مع ولدیت اس کو معلوم ہیں ۔ جب کوئی مومن کہیں سے بھی حضور پر صلوٰۃ وسلام بھیجتا ہے وہ بیٹھکا ربارگاہ نبوت فرشتہ بدشدہ انور ہی سے بروئے زمین پر پھیلے ہوئے تمام مومنین کی صلوٰۃ وسلام سُن لیتا ہے۔ اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام بجالانیوالے کے سلام کو نام وولدیت کے ساتھ پیش کرتا ہے۔

اسی طرح جو فرشتہ لوگوں تک رزق پہنچانے پر متعین ہے اسکی نگاہ کے سامنے ہر کرہ ومہ اور ہر جان دار ہر وقت موجود ہیں اور تمام لوگوں کو پورے علم و وقوف کے ساتھ رزق پہنچاتا ہے۔ لہٰذا حاضر و ناظر ہونے سے وہ فرشتہ رزق خدا نہیں ہو گیا۔

جو فرشتہ ابر و باراں پر متعین ہے، تمام کرہ زمین اس کی نگاہ میں ہے، حکم و مصلحت الہٰی کے مطابق وہ پانی برساتا ہے۔ حاضر و ناضر ہونیسے خدا نہیں بنجاتا۔

ہر میت سے قبر و برزخ میں ربوبیت و رسالت سے متعلق نکیرین سوال سوال کرتے ہیں۔ اور بخاری شریف کی روایت کے مطابق رسالت کے سوال کے وقت نکیرین حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اور اگر نکیرین بیک وقت ہر میت کے پاس موجود ہوں اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم بھی مشار الیہ بن کر نظر آئیں تو اس حاضری و ناظری سے حضور اور نکیرین خدا نہیں بن گئے آغاز بعثت میں حضور نے جبرئیل امین کو دیکھا کہ وہ اپنی اکیلی ذات سے تمام زمین

تمام فضا اور تمام آسمان کو محیط ہیں۔ جس طرف بھی حضور نظر اُٹھاتے ہیں جبریل ہی جبریل دکھائی دیتے اور آپ کو خطاب کر کے کہتے یا محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) انا جبریل وانت رسول اللہ تو کیا اس محیط اور حاضر و ناظر ہونے سے جبریل خدا بن گئے ...؟

حقیقت یہ ہے کہ حاضر و ناظر نہ اللہ تعالےٰ کے اسمائے حُسنےٰ ہیں۔ اور نہ معنے کے لحاظ سے یہ اللہ جل مجدہ کے حق میں خاص ہیں جبکہ جبریل امین سے لے کر آپ کے آستانے پر متعین پیش کار فرشتے تک حاضر و ناضر ہیں۔

غور فرمایئے کہ جب پیش کار دربار حاضر و ناظر ہو تو خود سرکار دربار کا کیا مقام ہوگا۔ اس مسئلے کو سمجھنے کے لیے سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا اور دور و نزدیک سے اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ کی تعلیمات و روایات کافی ہیں۔

جب تک زندہ ہیں بہ صیغۂ خطاب حضور پر سلام بھیجتے ہیں اور مرنے کے بعد قبروں میں حضور کو دیکھ کر تصدیقِ رسالت کریں گے۔ آمین آمین آمین

نہ اس عالم میں حضور پر بہ صیغۂ خطاب سلام عرض کرنا خلاف شریعت ہے اور نہ عالم آخرت میں ہر میت کے لیے ایک ہی آن و لمحہ میں حضور کا دیدار مبارک محال و خلاف شرع ہے۔

جب نمازوں میں حضور کو مخاطب کر کے سلام عرض کرتے ہیں تو خارج نماز مخاطبت میں کیا استحالہ یا فساد عقیدہ کی گنجائش باقی رہتی ہے۔

زفرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم   کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست

اگر یہ قوت و قدرت خاصۂ باری تعالیٰ ہوتی، تو غیر اللہ اس سے متصف نہیں ہو سکتے تھے۔ لہٰذا دور و نزدیک کا دیکھنا اور سننا خاصۂ باریتعالیٰ نہیں رہا اگر قرآن و حدیث کی روشنی میں کوئی شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حاضر و ناظر مانے اور اُن پر حضور و خطاب کے صیغے سے صلوٰۃ و سلام بھیجے تو ہرگز بدعتی و مشرک نہیں کہلائے گا۔ بلکہ منکرین افراد بدعت و ضلالت میں ماخوذ ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا اور "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ" کی تعلیم و ہدایت کی مخالفت پر اَڑے ہوئے ہیں۔

دوسری دلیل۔ یہ کہنا کہ "یَا نَبِیْ سَلَامٌ عَلَیْکَ" کے کلمہ کے ساتھ عرض سلام کی روایت نہ حدیث سے ثابت ہے اور نہ قرآن مجید ہی سے۔

یہ دلیل تو پہلے سے بھی زیادہ لغو ہے۔ کیونکہ نماز میں صلوٰۃ و سلام کی دو صورتیں ہیں یکم تشہد اور درود ابراہیمی۔ دوم قنوتِ حسن۔ لیکن نماز سے باہر صلوٰۃ و سلام کے متعدد طریقے ہیں۔ ان میں سے کسی کو متعین نہیں کیا جا سکتا بلکہ صلوٰۃ و سلام کی اہمیت اپنی جگہ پر قائم رہتی ہے اور طرزِ ادا میں ہر شخص آزاد ہے۔

اسی لیے ہم دیکھتے ہیں اور سلف سے خلف تک مُروّج پاتے ہیں کہ جب کبھی حضور کا نام پاک لینا ہو تو کتابوں میں لکھتے ہیں اور زبانوں سے دُہراتے ہیں "صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ" اور آج تک کسی طرف سے اِس کو بدعت نہیں کہا گیا۔

حالاں کہ جتنی روایتیں اِس سِلسلے میں ہیں، ان میں کسی جگہ اس طرح صلوٰۃ وسلام مروی نہیں ہے۔

الحاصل۔ ہم سب صلوٰۃ وسلام کے پابند ہیں اور خارج نماز کسی خاص طریقے کا تعین نہیں ہے۔

سلام مخاطب

سلام کی اصل پر غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اصل میں عرضِ سلام خطاب کے صیغے میں بہتر ہے۔ چنانچہ آپ جب ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو بہ صیغۂ خطاب سلام کرتے ہیں۔

آپ جب کسی دور دراز میں مقیم دوست یا عزیز کو خط تحریر فرماتے ہیں تو "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ" بہ صیغۂ خطاب لکھتے ہیں۔

آپ ٹیلی فون پر کسی سے گفتگو کرتے ہیں، تو بہ صیغۂ خطاب سلام کے بعد گفتگو شروع کرتے ہیں

آپ جب کسی امریکی یا انگلستانی دوست کو ٹیلی ویژن یا وائرلس کے ذریعے مخاطب کرتے ہیں تو بہ صیغۂ خطاب "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ" کہتے ہیں۔

حالانکہ ان تمام صورتوں میں آپ کا مخاطب ہزاروں میل کے فاصلے پر ہوتا ہے مگر خط کے سلسلے میں آپ ڈاک خانے کے نظام پر اعتماد کرتے ہیں، حالانکہ کبھی خطوط

ضائع بھی ہو جاتے ہیں۔ ٹیلی فون میں برقی تاروں پر، اور وائرلیس میں برقی لہروں پر آپ کا یقین ہے۔ لہٰذا آپ غائب کو حاضر ماننے سے مشرک نہیں بنتے۔

اسی طرح کوئی شخص اپنے گھر میں اندرون خانہ بیٹھا ہو، آپ دیوار کے پیچھے اور دروازے کے باہر سے بہ صیغۂ خطاب "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ" کہتے ہیں کیونکہ قرآن و حدیث نے یہی سکھایا ہے۔ اور یہ جرم نہیں ہے۔

پھر کیا بات ہے کہ آپ "یَا نَبِیُّ سَلَامٌ عَلَیْکَ" کو شرک و بدعت کہیں اور حاضر و ناظر کا جھگڑا کھڑا کریں۔ جب کہ آپ کے ان تمام مادّی ذرائع سے زیادہ قابلِ یقین ذریعہ فرشتوں کا ہے۔ ایک فرشتہ تو حاضر و ناظر بن کر روضۂ انور پر متعین ہے۔ دوسری جماعت سیّاحین فرشتوں کی ہو جو ہر جگہ سے درود و سلام کے پیغام جمع کرتے، اور حضور کی خدمت اقدس میں پہنچاتے ہیں اور خود حضور سیّد عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی قوت و قدرت، لطافت و نورانیت تمام فرشتوں کے مقابلے میں بے اندازہ زیادہ ہے۔ آپ مقام دَنیٰ کے سیّاح، قاب قوسین کے تاج دار اور بالائے عرش صاحب عرش کے مہمان رہ چکے ہیں۔ جہاں حضرت جبریل علےٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسّلام کی بھی رسائی نہیں

؎

اگر یک سرِ موئے برتر پرم
فروغ تجلّی بسوزد پرم

جن لوگوں کو حضور سے محبت ہے، اُن کے دل عرض سلام کے لیے
بے چین رہتے ہیں۔ صلوٰۃ وسلام کے حلقے قائم کرتے ہیں محفلیں منعقد کرتے ہیں
تنہا صلوٰۃ وسلام بھیجتے ہیں، مگر محبوب کی یاد سے غافل نہیں ہوتے ۔
اور دوسروں کو بھی محبوب کی یاد سے غافل نہیں ہونے دیتے۔

رَبِّ سَلِّمْ! عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہْ!!
مَرْحَبَا! مَرْحَبَا! رَسُوْلَ اللّٰہْ!!

احادیث نبویہ

آیت قرآنی "صَلُّوْا وَسَلِّمُوْا" کے متعلق اصول وقواعد سے بحث کرنے کے بعد ضروری ہے کہ کچھ حدیثیں حوالے کے ساتھ پیش کردی جائیں تاکہ حکم الٰہی کو حدیثوں کی مدد سے سمجھنے میں آسانی ہو۔ صلوٰۃ وسلام کی صحیح اہمیت معلوم ہو اگر کسی کے دل میں صلوٰۃ وسلام کی کثرت، صلوٰۃ وسلام کی محفل وحلقہ کے بارے میں کوئی تذبذب وشک ہے تو ہمیشہ کے لیے دور ہو جائے۔ اور ہم تمام لوگ دُنیا وآخرت میں حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے قرب ونزدیکی کی سعادت حاصل کرکے ناجی وکامیاب ہوں

اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ تشہد میں "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِیُّ" واقعہ معراج کی محض نقل وحکایت ہے یا فرمانِ الٰہی "وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا" کی اپنی طرف سے شعور وارادہ کے ساتھ تعمیل واطاعت ہے۔

حدیث۔ عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللهِ قَدْ عَلِمْنَا اَوْ عَرَفْنَا كَيْفَ السَّلَامُ عَلَيْكَ؟ فَكَيْفَ الصَّلٰوةُ؟ قَالَ قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ .... حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

ترجمہ۔ حضرت کعب بن عجرہؓ سے روایت ہے بولے کہ ہم لوگوں نے کہا یا رسول اللہ بے شک ہم سب جان چکے ہیں یا معلوم ہے کس طرح آپ پر

سلام عرض کریں صلوٰۃ کس طرح ہے فرمایا تم سب کہو! اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ . . . . اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ (درود ابراہیمی)

حدیث مذکور میں "عَلِمْنَا كَيْفَ السَّلَامُ عَلَيْكَ" ہم جان چکے ہیں کس طرح آپ پر سلام بھیجا جائے" اس حقیقت کی وضاحت کرتا ہے کہ تشہد میں "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ" کہہ کر صحابۂ کرام جو آپ پر بصیغۂ خطاب سلام بھیجتے تھے وہ نقل و حکایت نہ تھی بلکہ اپنی طرف سے ارادہ و نیت کے ساتھ سلام بھیجتے تھے اور اس طرز عمل کو "سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا" کے اعلان میں برقرار رکھا گیا صحابۂ کرام صلوٰۃ یعنی درود بھیجنے کے طریقے سے ناواقف تھے، لہذا فرمان الٰہی "صَلُّوْا" کی تعمیل و اطاعت کی راہ معلوم کرنے کے لیے یہ حضرات حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ نے درود ابراہیمی تعلیم فرمائی۔

چنانچہ تمام محدثین اور سارے فقہا اور شارحین حدیث "عَلِمْنَا كَيْفَ السَّلَامُ عَلَيْكَ" سے تشہد میں مذکور "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ" ہی مراد لیتے ہیں اور بصیغۂ خطاب بارگاہ رسالت میں عرض سلام کو نماز کا عمل قرار دیتے ہیں۔

دوسری روایتوں سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ درود ابراہیمی کا اصل مقام نماز میں تشہد کے بعد ہے بالفاظ دیگر درود ابراہیمی تشہد کا تتمہ و تکملہ ہے نماز سے باہر صلوٰۃ و سلام کی کوئی معین صورت نہیں ہے بلکہ مومنین کو آزادی ہے کہ اپنی سہولت کے پیش نظر جن کلمات میں چاہیں بارگاہ رسالت میں صلوٰۃ و سلام بھیجیں

صرف یہ لحاظ رہے کہ اس بارگاہ رفعت پناہ کی تعظیم احترام میں کوئی فرق نہ آئے

مذکورہ بالا روایت حدیث کی تمام کتابوں میں ہے۔ بخاری و مسلم وغیرہما

حدیث - عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا تَشَہَّدَ اَحَدُکُمْ فِی الصَّلٰوۃِ فَلْیَقُلْ اَلْحَدِیْثُ (حاکم مستدرک سنن بیہقی)

ترجمہ - حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جب تم میں کوئی شخص تشہد پڑھ چکے تو یہ کہنا چاہیے

اللھم صل علی محمد وعلی ال محمد . . . . حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ درود ابراہیمی کا اصل موقع نماز ہے اور وہ بھی تشہد کے جزو ثانی کی حیثیت سے کیونکہ تشہد سلام کو شامل ہے اور درود ابراہیمی صلوٰۃ ہے اور دونوں مل کر صلوا علیہ وسلموا تسلیما کی تعمیل کی راہ متعین کرتے ہیں۔

صلوٰۃ کیلئے کوئی صیغہ بھی اختیار کریں مگر سلام کیلئے حضور و خطاب بہتر ہے

اس روایت کی سند میں ایک شخص "حارثؒ" ہے جس کے حالات معلوم نہیں ہیں مگر پہلی روایت کے ساتھ اس روایت کی معنوی وابستگی استنا و قبول کیلیے کافی ہے۔

حدیث - عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ... کَیْفَ نُصَلِّیْ عَلَیْکَ اِذَا نَحْنُ صَلَّیْنَا عَلَیْکَ فِیْ صَلٰوتِنَا. وَفِیْ رِوَایَۃٍ کَیْفَ نُصَلِّیْ عَلَیْکَ فِیْ صَلٰوتِنَا.

(ابن حبان - حاکم - بیہقی - ابن خزیمہ - دارقطنی)

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ نے حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا کہ ہم لوگ کس طرح آپ پر درود بھیجیں، جب ہم درود بھیجیں آپ پر اپنی نمازوں میں؟ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ کسطرح ہملوگ آپ پر درود بھیجیں اپنی نمازوں میں؟ تو آپ نے درود ابراہیمی تعلیم فرمائی اور تشہد کے ساتھ اس کو تکملہ قرار دیا۔

اس روایت میں تصریح آگئی ہے کہ درود ابراہیمی کا اصل موقع نماز ہے۔ اور وہ بھی تشہد کے تتمے اور ضمیمے کی حیثیت سے۔ تاکہ صلوا علیہ وسلموا تسلیما کی نماز میں تعمیل ہوسکے

حدیث۔ قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَلْبَخِيْلُ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ

(ترمذی۔ نسائی۔ ابن حبان۔ حاکم)

ترجمہ۔ حضورؐ نے فرمایا کہ بخیل وہ ہے جسکے نزدیک میرا ذکر ہوا اور وہ مجھپر درود نہ بھیجے۔

حضورؐ کا نام سن کر آپ پر صلوٰۃ بھیجنے کا عام حکم ہے۔ چنانچہ جو لوگ نمازوں میں درود واجب کہتے ہیں وہ اسی منشور نام کی بناپر تشہد کے ساتھ درود پڑھنا فرض قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ تشہد کے اندر شہادتین میں حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام ایک زبان پر آچکا ہے۔ اور بخیلی کی سزا سے بچنا ضروری ہے۔ فقہاء و محدثین کے اس استدلال کی بناپر اذان کے بعد بھی دعائے وسیلہ سے پہلے صلوٰۃ و سلام ضروری ہے۔ جیسا کہ آئندہ صفحات میں معلوم ہوگا

اذان کے بعد متصلاً درود بھیجنے کی صریح روایت بھی موجود ہے۔

صلعم کا گناہ

خدارا ذرا اس روایت کو دینی شعور اور ایمانی احساس کو بیدار کر کے پڑھیے۔ اور بار بار پڑھیے۔ یہ جو لوگوں میں رواج پاگیا ہے کہ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے نام پاک کے بعد صلوٰۃ وسلام نہیں لکھتے ہیں اور اپنی سہولت کے لیے (صلعم) لکھ دیتے ہیں۔ کیا بارگاہِ رسالت میں اپنی بخیلی کا اظہار نہیں ہے؟ اللہ رب العزت نے اس بارگاہ رفعت کے جو آداب سکھائے ہیں۔ تعظیم و توقیر کا حکم دیا ہے۔ اور صلوٰۃ وسلام کا فرمان نافذ کیا ہے کیا یہ لفظ صلعم اس کے خلاف نہیں ہے؟ صلعم کسی زبان کا معتبر لفظ نہیں ہے یہ ہل انگاروں اور بخیلوں کی اپنی اختراع ہے۔ لہٰذا نام پاک کے بعد صلعم لکھ کر یہ سمجھنا کہ فرمان صلوا علیہ وسلموا تسلیما کی تعمیل ہوگئی اور سزائے بخل سے محفوظ ہوگئے سخت نا عاقبت اندیشی ہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جو لوگ کامل صلوٰۃ وسلام نہیں لکھتے اور مخفف الفاظ پر اکتفا کرتے ہیں تاکہ وقت، محنت، کاغذ اور روشنائی بچائیں، ان کو سمجھنا چاہیے کہ اس بخل کی اگر کوئی اور سزا نہ بھی ملے صرف اتنا ہو کہ بروز قیامت آپ شفاعت میں کمی کریں تو ان تخفیف کرنے والوں کا کیا حال ہوگا؟

اس روایت میں عمرو اور جابر جعفی۔ دو ایسے راوی ہیں جن پر محدثین کو اعتبار نہیں ہے۔ لیکن یہ روایت بھی صحیح روایتوں کی ہم معنی ہے۔ لہذا شواہد کی حیثیت سے قابل قبول ہے۔

رہی یہ بات کہ نماز میں درود بھیجنے کا کیا طریقہ ہے، تو یہ بات اگلی روایتوں سے واضح ہو چکی کہ درود ابراہیمی تشہد کے تکملہ کی حیثیت سے پڑھنا چاہیے۔

حدیث۹۔ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ ... قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ صَلّٰى صَلٰوةً لَمْ يُصَلِّ فِيْهَا عَلَيَّ وَعَلٰى اَهْلِ بَيْتِيْ لَمْ تُقْبَلْ مِنْهُ (دارقطنی)

ترجمہ۔ امام زین العابدین کے صاحبزادے، امام محمد باقر راوی ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس کسی نے نماز پڑھی اور مجھ پر اور میرے اہل بیت پر اس نماز میں درود نہیں بھیجا تو اس کی وہ نماز قبول نہیں کی جائیگی

حدیث۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ صَعِدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمِنْبَرَ فَقَالَ اٰمِيْنَ اٰمِيْنَ اٰمِيْنَ فَلَمَّا نَزَلَ سُئِلَ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ اَتَانِيْ جِبْرِيْلُ الحدیث (بزاز)

ترجمہ۔ حضرت جابر بن سمرہ راوی ہیں حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام ممبر پر تشریف لے گئے اور آمین، آمین، آمین کہا تو جب آپ اترے تو اسکے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میرے پاس جبریل آئے۔ (پوری حدیث آئندہ آرہی ہے)

اس حدیث کی سند میں ایک راوی اسمٰعیل بن ابان ہے جو معتبر نہیں ہے مگر دوسری معتبر حدیثوں اور معتبر سندوں سے اس روایت کے مضمون کی تائید ہوتی ہے لہذا محدثین کے اصول پر قابل قبول ہے۔

حدیث۸ ۔ عَنْ كَعْبِ بْنِ عَجْرَةَ قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ احضروا الْمِنْبَرَ نَحْضَرْنَا فَلَمَّا ارْتَقٰى دَرَجَةً قَالَ اٰمِيْن فَلَمَّا ارْتَقَى الدَّرَجَةَ الثَّانِيَةَ قَالَ اٰمِيْن فَلَمَّا ارْتَقَى الدَّرَجَةَ الثَّالِثَةَ قَالَ اٰمِيْن فَلَمَّا نَزَلَ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَقَدْ سَمِعْنَا مِنْكَ الْيَوْمَ شَيْئًا مَا كُنَّا نَسْمَعُهُ قَالَ اِنَّ جِبْرِيْلَ عَرَضَ لِيْ فَقَالَ بُعْدًا مَنْ اَدْرَكَ رَمَضَانَ ... (الحاکم)

حاکم نے اپنی مستدرک میں یہ حدیث حضرت کعب بن عجرہ سے روایت کی ہے کہ حضور ممبر پر تشریف لے جاکر تین بار آمین کہہ کر اترآئے

(پوری حدیث دوسری سند سے آگے آرہی ہے)

حدیث۹ ۔ صعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم المنبر فلما رقی عتبۃ قال اٰمین ثم رقی اخری فقال اٰمین ثم رقی عتبۃ ثالثۃ فقال اٰمین ثم قال اتانی جبریل فقال یا محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) من ادرک رمضان فلم یغفرلہ فابعدہ اللہ فقلت اٰمین ۔ ومن ادرک والدیہ اواحدھما فدخل النار فابعدہ   ۔ قال ومن ذکرت عندہ فلم یصل علیک فابعدہ اللہ قل اٰمین فقلت اٰمین (صحیح ابن حبان)

ترجمہ ۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ممبر پر تشریف لے گئے تو جب پہلے زینے پر قدم رکھا، فرمایا آمین ۔ پھر دوسرے زینے پر قدم رکھا تو فرمایا آمین پھر تیسرے زینے پر قدم رکھا تو فرمایا آمین ۔ بعدہ ارشاد ہوا کہ میرے پاس جبریل آئے اور کہا کہ اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) جو کوئی رمضان کا مہینہ پائے اور اس کی مغفرت نہ ہوئی، تو اللہ اس کو رحمت سے دور رکھے ۔ میں نے کہا آمین اور جو کوئی والدین یا ان میں سے کسی ایک کا زمانہ پائے پھر بھی جہنم میں گیا تو اللہ اس کو رحمت سے دور رکھے ۔ میں نے آمین کہی ۔ جبریل نے کہا کہ جسکے سامنے آپ کا ذکر آئے اور وہ آپ پر درود نہ بھیجے تو اللہ اس کو رحمت سے دور رکھے ۔ کہیے آمین ۔ تو میں نے آمین کہی

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رمضان کا روزہ اور اس ماہ کے حقوق کی نگرانی فرض ہے اور نتیجے میں مغفرت یقینی ہوتی ہے ۔ جس کا دفتر گناہ رحمت کی اس موسلا دھار بارش میں بھی نہ دُھلا اُس سے زیادہ بدنصیب کوئی نہیں ۔

اسی طرح از روے قرآن والدین کی اطاعت، ان کے ساتھ حسن سلوک اور ان کے لیے رحمت و مغفرت کی دعا فرض ہے ۔ اور نتیجے میں جنت ملتی ہے ۔ جس کسی کو والدین کی خدمت کا موقع ملا پھر بھی اپنی بدنصیبی سے جہنم ہی کا مستحق رہا، تو اس سے زیادہ بدبخت و بدنصیب کون ہے؟

تیسری بددعا کا رُخ اس شقی کی طرف ہے جس کے سامنے حضور

صاحبِ لولاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر ہو اور وہ آپ پر درود نہ بھیجے اس بد دعا پر آمین کہنے میں جناب رحمۃ للعالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام متامل ہوئے لیکن جبریل نے "قل" "کہیئے" کہہ کر آپ کی زبان سے آمین کہلائی۔

اگلے دونوں مسائل کے ساتھ اس تیسرے مسئلے کو رکھ کر دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ درود وسلام بھی انہی جیسا فریضہ ہے۔ درود وسلام سے جنت یقینی ملتی ہے اور غافل وقصور وار پر شقاوت کی مہر لگتی ہے۔ کیونکہ غافلوں کے حق میں جبریل کی بد دعا، اور رحمۃ للعالمین کی آمین ہے۔

غور فرمائیے کہ جو لوگ صلوٰۃ وسلام سے غفلت کرتے ہیں، یا ایک مہمل وبے معنی لفظ "صلعم" پر معاملے کو ٹال دیتے ہیں کتنے اندوہناک خسارے میں ہیں

چنانچہ محدثین وفقہا کے نزدیک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام لینے سننے اور لکھنے کے بعد صلوٰۃ وسلام فرض ہو جاتا ہے۔

حدیث [۱۰]۔ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ارْتَقٰی عَلَی الْمِنْبَرِ۔ الحدیث (طبرانی)

مذکورہ بالا روایت محدث طبرانی نے حضرت عبداللہ بن عباس کی سند سے روایت کی ہے۔

حدیث [۱۱]۔ محدث ابن خزیمہ نے بھی مذکورہ حدیث اپنی کتاب میں روایت کی ہے

حدیث [۱۲]۔ ترمذی بھی اسی مضمون کی حدیث اپنی کتاب میں روایت کرتے ہیں

مگر ممبر پر آمین کہنے کے بدلے الفاظ دوسرے ہیں۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ ذُکِرْتُ عِنْدَہٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ۔ وَرَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ دَخَلَ عَلَیْہِ رَمَضَانُ ثُمَّ انْسَلَخَ قَبْلَ اَنْ یُّغْفَرَ لَہٗ۔ وَرَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ اَدْرَکَ عِنْدَہٗ اَبَوَاہُ الْکِبَرَ فَلَمْ یُدْخِلَاہُ الْجَنَّۃَ (ترمذی)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے اور اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے سامنے رمضان آکر گزر گیا اس سے پہلے کہ اس کے گناہ معاف ہوں۔ اور اس کی ناک خاک آلود ہو جو والدین کے بڑھاپے کو پالے اور وہ دونوں اسے جنت میں داخل نہ کرائیں۔

حدیث[۱۳]۔ قَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِاَبْخَلِ النَّاسِ؟ قَالُوْا بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ! قَالَ مَنْ ذُکِرْتُ عِنْدَہٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ فَذَالِکَ اَبْخَلُ النَّاسِ۔ (ابن ابی عاصم)

ترجمہ۔ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگو! کیا میں تم کو نہ بتا دوں کہ سب سے زیادہ بخیل کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! تو آپ نے فرمایا کہ وہی شخص سب سے زیادہ بخیل ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر صلوٰۃ نہ بھیجے۔

غور فرمائیے کہ جو لوگ بخل کی وجہ سے دنیاوی مال و متاع میں مساکین کے حقوق نہیں ادا کرتے ان کے بارے میں قرآن مجید سخت سزاؤں کا اعلان کرتا ہے۔

لیکن صلوٰۃ وسلام میں بخل کرنے والے اور اللہ کے حبیب کا حق ادا نہ کرنے والے جب صادق وامین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان میں سب سے زیادہ بخیل ہیں تو ان بدترین بخیلوں کا کہاں مقام ہوگا۔

حدیث ۱۴ میں غافلوں کو بخیل کہا گیا اور اس روایت میں ابخل کا لفظ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تارکین درود وسلام کو محض نا اہلی کی وجہ سے بخیل وابخل نہیں کہا جا رہا ہے۔ بلکہ بخل کے پست ترین مقام میں واقعی ان کو رکھنا مقصود ہے۔

حدیث ۱۵۔ قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَخَطِئَ الصَّلٰوةَ عَلَيَّ خَطِئَ طَرِيْقَ الْجَنَّةِ (طبرانی، ابن ماجہ، ابن ابی عاصم)

ترجمہ۔ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے سامنے میرا ذکر ہوا اور اس نے مجھ پر صلوٰۃ بھیجنے میں غلطی کی تو وہ راہ جنت سے بھٹکا۔

حدیث ۱۶ قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ شَقِيَ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ (طبرانی)

ترجمہ۔ ارشاد ہے کہ وہ شقی و بدبخت ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور مجھ پر درود نہ بھیجے۔

حدیث - عَنْ عَلِیٍّ قَالَ کُلُّ دُعَاءٍ مَحْجُوْبٌ حَتّٰی یُصَلِّیَ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ - (طبرانی)

ترجمہ - حضرت علی سے روایت ہے فرمایا کہ ہر دعا حجاب میں رہتی ہے تاآں کہ سیدنا حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا جائے۔

حدیث - عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّ الدُّعَاءَ مَوْقُوْفٌ بَیْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ لَا یَصْعَدُ مِنْہُ شَیْءٌ حَتّٰی یُصَلِّیْ عَلٰی نَبِیِّکَ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ)

ترجمہ - حضرت عمر بن خطاب فرماتے ہیں کہ بے شک دعائیں آسمان و زمین میں معلق رہتی ہیں، ان میں سے کچھ بھی اوپر نہیں جاتیں، تاآنکہ تمہارے نبی (صلے اللہ علیہ وسلم پر درود نہ بھیج دیا جائے۔

ایک نکتہ

قرآن مجید میں جو ارشاد ہے اِلَیْہِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ اللہ کی طرف کلمات طیبات صعود کرتے ہیں۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی روایت کی روشنی میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ وسلام ہی کلمات طیبہ کی اصل ہے۔ کیونکہ دعائیں جنھیں حدیثوں میں عبادت کا جوہر و مغز کہا گیا ہے اور قرآن میں اصل عبادت قرار دی گئی ہیں، بارگاہ صمدیت میں رسائی کے لیے صلوٰۃ وسلام کی محتاج ہیں۔ اس کے بغیر سند قبول تو کیا حاصل کریں گی۔

اس رفیع الشان آستانے کی طرف صعود بھی نہیں کرتی ہیں
بہ الفاظ دیگر دعائیں عبادت ہیں اور عبادت کی جان و روح صلوٰۃ
وسلام ہے۔ حق ہے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ تک مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ
(صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) کے بغیر رسائی کا خیال کفر و بے دینی ہے۔

خلاصہ

مذکورہ بالا حدیثوں اور آیت قرآنی سے صلوٰۃ وسلام کے متعلق
حسب ذیل ہدایات ملتی ہیں۔

۱ قبول دعا کے لیے صلوٰۃ وسلام ضروری ہے۔

۲ نماز صلوٰۃ وسلام کے بغیر نہیں ہوتی، یا مقبول نہیں ہوتی۔

۳ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا نام پاک جب لیا جائے
تو ذاکر و سامع سے جو کوئی بھی صلوٰۃ وسلام ترک کرے گا
عذاب کا مستحق ہوگا

۴ خارج نماز صلوٰۃ وسلام کا معین طریقہ نہیں ہے۔

الف صلوٰۃ وسلام بالجہر یعنی کھلی آواز سے بھی درست ہے۔

ب بالسّر یعنی آہستہ بھی صلوٰۃ وسلام درست ہے۔

ج بصیغۂ ماضی اور بصیغۂ امر یعنی دعا جملہ فعلیہ انشائیہ اور اسمیہ کی

صورت میں بھی صلوٰۃ وسلام جائز ہے مثلاً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ سَلَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْہِ ۔ اَللّٰھُمَّ سَلِّمْ عَلَیْہِ ۔ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ
عَلَیْکَ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ ۔ یا ۔ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ

د بہ صیغۂ خطاب بھی صلوٰۃ وسلام درست ہے اور بصیغۂ غائب بھی جائز ہے

ہ درود ابراہیمی دراصل تشہّد کے سلام "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ" کا تتمہ وتکملہ ہے۔

و درود ابراہیمی کا اصل محل نماز ہے۔

ز تشہّد میں "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ" محض حکایت ونقل نہیں ہے بلکہ ہر نمازی بالارادہ اپنی طرف سے حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر سلام بھیجتا ہے اور سلام بھیجنے کا یہ طریقہ صحابہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سکھایا تھا کیونکہ صحابہ کا کہنا "قَدْ عَلِمْنَا کَیْفَ نُسَلِّمُ عَلَیْکَ" (بے شک جان چکے ہم کس طرح آپ پر سلام بھیجیں) ۔سے واضح ہوگیا کہ تشہّد میں "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ" صحابہ کی طرف سے حضور "عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ" پر سلام بھیجا جا رہا ہے ۔ لہذا بصیغہ خطاب ۔"یَا نَبِی سَلَامٌ عَلَیْکَ ۔ یَا رَسُوْل سَلَامٌ عَلَیْکَ یَا حَبِیْب سَلَامٌ عَلَیْکَ ۔ صَلَوَاتُ اللّٰہِ عَلَیْکَ" کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجنے کا ناپسندیدہ، غیر شرعی اور غیر مستحسن طریقہ کہنا بالکل غلط ہے۔ اور اس خصوص میں حاضر وغائب کا جھگڑا کھڑا کرنا صحابہ کی متفقہ روش سے علیحدگی ہے

کیونکہ صحابہ کرام حضور علیہ السلام کے سامنے اور آپ کی غیبت میں فرمان الٰہی "تسلیموا تسلیما" کی تعمیل اپنی تمام نمازوں میں تشہد کے اندر "السلام علیک ایھا النبی" کے کلمات ہی سے کرتے رہے۔ اور کبھی حضور کی عدم موجودگی وغیبت کا ان کے دل میں خیال تک نہ آیا۔ وفات نبوی کے بعد اگر کوئی کسی شاذ روایت میں جس کی سند بھی معتبر نہ ہو کسی ایسی بات کا پتا دے کہ دو ایک افراد نے بطور خود تشہد میں سے خطاب کا کلمہ "علیک" نکال دیا تھا تو ایسی روایتیں ان صحابی اور تابعی پر اتہام کی حیثیت رکھتی ہیں ؎

؎ امام بخاری نے تشہد اور مصافحہ کے اداب میں یہ روایت بیان کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کو حضور نے مصافحہ کی حالت میں اس دونوں ہاتھوں سے تشہد کی تعلیم دی جس میں السلام علیک ایہا النبی ہے اب اس سے آگے حضرت ابن مسعود کا اپنا بیان ہے کہ حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد ہم لوگ السلام علیک ایہا النبی کے بدلے السلام علی النبی کہنے لگے۔ محدثین کے اصول سے السلام علی النبی کا اضافہ معتبر نہیں ہے کیونکہ حضور علیہ السلام کا تعلیم کردہ تشہد وسلام تو متعدد راویوں اور چوبیس صحابہ سے مروی ہے لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد ترمیم سے متعلق متن حدیث میں اضافے کی تائید کسی اور روایت سے نہیں ہوتی۔ لہٰذا روایت مشہورہ سے متعلق اور تفرد کی تائید جب تک شواہد ومتابعات سے حاصل نہ ہو، وہ اضافہ مقبول نہیں ہے

بعض غیر مقلدین آج کل السلام علی النبی کو اختیار کرتے ہیں۔ خدا معلوم ان کا یہ فعل کن جذبات کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ مگر روایت مشہورہ سے علیحدگی اور کسی ایک بیان کا اصل روایت میں ادراج واضافہ جس کی کسی دوسری صحیح روایت سے تائید نہیں ہو رہی ہو اور یہ اضافہ صاف صریح تعلیم نبوی کے خلاف ہو، اور منشأ قرآنی سے الگ ہو اختیار کرنا غیر مقلد کی شان تو ہو سکتی ہے کسی اہل حدیث کا مذہب نہیں ہو سکتا ہے۔ مزید تعجب ہے کہ اس روایت میں جس قدر حصہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے متعلق ہے غیر مقلدین اس کو خلاف سنت کہتے ہیں۔ مثلاً حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دونوں ہاتھ سے مصافحہ کیا اور اس مصافحہ کی حالت میں سیدنا عبداللہ بن مسعود کو تشہد کی تعلیم دی۔ غیر مقلدین نہ دونوں ہاتھ سے مصافحہ کو سنت کہتے ہیں، اور نہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تعلیم کردہ تشہد کو اختیار کرتے ہیں اور بعد کے کسی راوی کے الحاق پر دھیان دیتے ہیں اور اس کو اپنا مذہب بناتے ہیں

کیونکہ اس قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نکالی جاسکتی تھی تو بلاشبہ حضور سید عالم
صلے اللہ علیہ وسلم کے دوران تبلیغ میں بھی اس کی تفصیل وضاحت کا موقع تھا
ایسی بات تو نہیں ہے کہ تمام مسلمان، بلکہ تمام صحابہ ہمیشہ حضور ہی کے ساتھ
نمازیں پڑھتے تھے اور جب حضور سے علیحدہ کہیں دور و دراز مقامات پر دینی
یا معاشی اغراض کے لیے جاتے، تو نمازیں ترک کر دیتے تھے۔

حق تو یہ ہے کہ جن صحابہ کی شان میں قرآن مجید نے یہ ارشاد فرمایا ہے
کہ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا (تم ان کو بکثرت رکوع وسجدہ کرنیوالا دیکھوگے)
یعنی صحابہ کرام کے جو اوقات بیداری طلب معاش سے بچے رہتے تھے،
ان کو وہی کاموں میں صرف کرتے تھے۔ نماز یا آستانۂ رسالت پر حاضری
اور بس۔

یہ صحابہ عہد نبوی میں ہمیشہ بصیغۂ خطاب تشہد میں سلام بھیجتے تھے۔
اور عہد نبوی کے بعد سبھوں نے جس نماز کی تعلیم اوروں کو دی اس میں بھی
تشہد بصیغۂ خطاب سلام پر مشتمل ہے۔ پھر کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ
حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی صاف وصریح تعلیم کے مقابلہ میں کوئی صحابی
اپنی طرف سے اس تعلیم میں ترمیم کردے۔ اور جس کی بنیاد پر یہ ترمیم کسی صحابی
کی طرف منسوب کی جارہی ہے، وہ بنیاد پورے دورِ تبلیغ میں ہمیشہ موجود
رہی مگر حضور علیہ السلام سے ایسی کسی ترمیم کی روایت منقول نہیں ہے۔

حیرت بالائے حیرت یہ ہے کہ متفق علیہ روایتوں اور تعامل امت کے خلاف کوئی صاحب اپنے آپ کو اہل حدیث و تبع حدیث کہنے کے بعد ان روایتوں میں ترمیم گوارا کریں۔ ایک طرف تو بخاری و مسلم کے مقابل دوسری کتب حدیث کی صحیح و مرفوع روایتوں کو قبول کرنے میں ہچکچاتے ہیں۔ اور دوسری طرف غیر یقینی روایت کو بطور سند پیش کرتے ہیں۔ آخر یہ طریق کار دل کے کن جذبات کی غمازی کرتا ہے؟

فقہا و محدثین کی رائیں

تمام فقہا و محدثین اس مسئلہ میں متفق ہیں کہ صلوٰۃ و سلام بزرگ ترین عبادت اور تقرب الٰہی کا اعلےٰ ترین ذریعہ ہے لیکن ان کے درمیان جن مسائل میں اختلاف ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) نماز میں تشہد کے بعد درود واجب ہے۔ درود کے بغیر نماز نہیں ہوگی۔ مذکورہ حضرات کا یہی فتویٰ ہے۔

سیدنا عمر فاروق، سیدنا عبداللہ بن عمر، سیدنا عبداللہ بن مسعود، سیدنا جابر بن زید، شعبی، محمد بن کعب قرظی، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، اسحٰق ابن المواز، قاضی ابو بکر بن عربی۔ اور اہل بیت میں امام باقر، ہادی، قاسم۔ رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین۔

(۲) مندرجۂ بالا حضرات کے علاوہ جمہور امت کے نزدیک نماز میں درود واجب نہیں ہے۔ ان میں امام ابوحنیفہ، امام مالک امام ثوری، امام اوزاعی اور اہل بیت میں سے ناصر و دیگر ائمہ رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین

دونوں رائوں کا خلاصہ یہ ہے کہ مطلق درود و سلام تو واجب ہے، مگر محل و مقام کی تعیین میں اختلاف ہے۔

راقم الحروف جیسا کہ آغاز کتاب میں اصولی بحث کی حیثیت سے واضح کر چکا ہو کہ فرائض غیر معینہ میں یہ ایک بڑی نعمت ہے کہ فرمان الہٰی کی تعمیل جب بھی کی جائے ہمیشہ ادائے فرض کا ثواب ملتا ہے۔ اور صلوٰۃ و سلام فرائض غیر معینہ میں سے ہیں، لہٰذا ان کا ثواب ہمیشہ فرض صلوٰۃ و سلام کا ہوگا۔

جن ائمہ نے نماز میں تشہد کے بعد درود ابراہیمی کو فرض نہیں قرار دیا ان کے نزدیک تشہد میں "اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ" میں سلام کا کلمہ صحت نماز کے لیے کافی ہے۔ کیونکہ صلوٰۃ و سلام جداگانہ طور پر جب بھیجے جائیں تو زیادہ فضیلت ہوگی ورنہ ہر دو کلمہ معناً ایک دوسرے کی نیابت بھی کرتے ہیں لہٰذا "اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ" میں صلوٰۃ و سلام دونوں شامل ہوگئے

فضائل درود وسلام

ہر عبادت دوگونہ خوبیوں کو شامل ہے۔

اوّل تعبد یعنی عبدیت و بندگی کا تقاضا ہے کہ ہم اپنے معبود کے حکم کی تعمیل و اطاعت کریں۔ اللہ تعالیٰ جو ہمارا معبود ویکتا ہونے کے علاوہ ہمارے وجود و لوازم وجود کا خالق و مالک ہے، اس کے کسی حکم کی اطاعت میں پس وپیش انتہائی بے عقلی، جہل اور سرکشی ہے۔

دوم ہر عبادت کی بجاآوری ہمیشہ نئے الطاف واکرام، انعام ونوازش کا سبب ہے۔ لہٰذا فرمان الٰہی "صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا" کی پابندی صرف اس لیے کی جائے کہ یہ اللہ رب العزت کا حکم ہے اور ایسا پسندیدہ عمل ہے کہ ذات حق قول وفعل سے اس کار عظیم میں شریک ومتوجہ ہے۔ تو ہمارا یہ فعل اپنی جگہ بندگی کا لازمہ ہو جاتا ہے۔ مگر جو بے اندازہ انعامات اور بیحد حساب برکات درود وسلام سے حاصل ہوتے ہیں ان کو دیکھتے ہوئے صلوٰۃ وسلام کے محض تصور سے ایمان میں قوت، روح میں لطافت، قلب میں فرحت پیدا ہوتی ہے۔ اللہ رب العزت کی تمام اعلےٰ نعمتوں میں افضل ترین نعمت حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات رحمت سمات ہے۔ صلوٰۃ وسلام سے حضور کی یاد تازہ ہوتی ہے اور ہر آن مقام قرب کی طرف بتدریج ترقی ہوتی رہتی ہے

علاوہ ازیں ہماری ہر عبادت، تمام دعائیں، استغفار و توبہ بارگاہِ صمدیت تک وصول و رسائی کے لیے صلوٰۃ و سلام ہی سے اپنی قوت صعود اور پرواز حاصل کرتی ہیں۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب کہا ہے کہ عارفوں کی تحقیق، اور ان کا مشاہدہ یہ ہے کہ درود چونکہ بندوں کا اپنا فعل نہیں، بلکہ یہ سرتاسر فعل الٰہی ہے جیساکہ "اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ" سے ظاہر ہے اور ہماری درود خوانی اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ہم اللہ رب العزت کی صلوٰۃ رسانی کا یا تو اپنی زبان میں ذکر کرتے ہیں جیسے صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ اَلصَّلٰوۃُ عَلَیْہِ، صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ، اَلصَّلٰوۃُ عَلَیْکَ یا حاضرین دربار کی طرح اپنے مالک و آقا کے فعل کی تائید کرتے ہوئے ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں۔ مثلاً اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْہِ

جب درود انسان کا اپنا فعل نہیں ہے بلکہ خالصتہً یہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے تو بندہ اگر فعل الٰہی کا ذکر کرے یا اللہ جل شانہ کی ہاں میں ہاں ملائے تو ایسے اعمال میں قبول و نامنظوری کی بحث سرے سے پیدا ہی نہیں ہوگی بلکہ درود ہمیشہ مقبول ہوگا۔ کیونکہ یہ اللہ جل مجدہٗ کا اپنا فعل ہے۔ وہ خود فاعل بھی ہے اور خود ہی قبول کرنے کا اختیار رکھتا ہے اور ہمیں درود خوانی کا ثواب تو محض اللہ کریم و مفضال کی ہاں میں ہاں ملانے سے بالکل ہی مفت حاصل ہوتا ہے۔

امام رازی اس مقام پر ایک دوسری بات اور بھی تحریر فرماتے ہیں جو بہت دل چسپ اور نہایت دل کش نکتہ ہے کہ استغفار و درود میں کامیابی و نجات کے لیے درود زیادہ محفوظ طریقہ ہے کیونکہ درود کے نامنظور ونا مقبول ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا یہ تو سراسر فعل الٰہی ہے اور ہم تو محض "صلی اللہ" جیسے تائیدی کلمات کہنے والے اور اللہ جل شانہ کی ہاں میں ہاں ملانے والے ہیں۔ مگر استغفار تو بندہ کی طرف سے دعا و درخواست ہے جس میں اپنے گناہوں کی معافی چاہی جاتی ہے لہٰذا دعاؤں میں اگر اللہ کی طرف کامل توجہ، کامل اخلاص روح و قلب اور جسم و جان کے ساتھ کامل تسلیم و سپردگی ہوئی تو دعائیں مقبول ہوں گی ورنہ اخلاص و توجہ میں کوئی کمی رہی تو اللہ رب العزت ان دعاؤں کو اگر رد فرمائے تو جائے تعجب و مقام شکایت نہیں ہے لہٰذا استغفار کی قبولیت کا یقین نہیں کیا جا سکتا اور درود کی قبولیت میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے

ان حالات میں پر امن و طمانیت بخش راہ یہ ہے کہ ہم زیادہ سے زیادہ صلوٰۃ و سلام کا ورد رکھیں اور عفو و استغفار کا کام حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے حوالے کریں کیوں کہ قرآن کے اپنے اعلان کے مطابق حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم بھی اپنی امت کے لیے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں طلبگار عفو و مغفرت رہتے ہیں اور حضور کی دعا کی قبولیت تو

ہر حال میں یقینی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ صلوٰۃ وسلام کی کثرت سے مومن کو حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا قرب حاصل ہوتا ہے اور جن خوش نصیبوں کے لیے آپ طلب گار مغفرت و داعی عفو ہوں ان میں درود خوانوں کا اندراج ہوجاتا ہے ۔یہی وجہ ہے کہ تصفیۂ باطن، تزکیۂ روح اور حصول تقرب کے لیے تمام سلاسل اولیاء صلوٰۃ وسلام سے سفر سلوک شروع کرتے ہیں اور اپنے طالب و مرید کو کثرت صلوٰۃ وسلام کی ہدایت کرتے ہیں۔

کیونکہ "یُزَکِّیْهِمْ" (حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم لوگوں کا تصفیہ کرتے ہیں) حضور کی خصوصی صفت ہے جس میں کوئی نبی شریک نہیں اور روح و باطن کا تزکیہ اسی وقت ممکن ہے جب طالب حضرت مزکی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جناب میں رسائی حاصل کرلے درود وسلام سے حضور کا تقرب حاصل ہوتا ہے اور جوں جوں اس مرکز نور تک رسائی حاصل ہوتی جائے گی قلب و روح کا تزکیہ ہوتا جائے گا اور روشنی ملتی جائے گی۔

علمائے حق و عارفین حقیقت کے چند اقوال یہاں ضمناً آگئے ورنہ ہماری اصل غرض صلوٰۃ وسلام کے بارے میں صرف حدیثوں کو مشعل راہ بنانا ہے تاکہ وہ حضرات جو علمائے دین کی وضع قطع میں رہنے کی وجہ سے عالم کہلاتے ہیں اور اپنی ناواقفیت و بے خبری سے لوگوں کو کثرت صلوٰۃ وسلام کی

ترغیب نہیں دیتے اور خود بھی مبتلائے غفلت ہیں، بلکہ بعض افراد تو ایسے بھی ہیں جو صلوٰۃ وسلام کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کرتے ہیں۔ نتیجہ میں اس سعادت سے خود بھی محروم رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی محروم کرتے ہیں

ایسے لوگ اپنی نادانی سے یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ صلوٰۃ وسلام کی کثرت اور اس مقصد عظیم کے لیے محفل وحلقہ کا قیام بدعت ہے اللہ جل مجدہ کو بھول کر لوگ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ذکر میں مشغول ہو جائیں گے۔

نادانوں کا ایسا خیال، دین کے معاملے میں انتہائی گستاخی اور سخت بے ادبی ہے۔ اگر دینی احکام میں اضافہ وتخفیف الحاق وترمیم میں لوگوں کی اپنی رائے اور مصلحت بینی کی اجازت ہے، تو بلاشبہ صلوٰۃ وسلام سے باز رہنے، اور باز رکھنے پر وہ مطعون وملام نہیں ہوسکتے اور اگر دین اس کا نام ہے کہ "مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا" (جو کچھ رسول تم کو دے دیں وہ لے لو؛ اور جس سے منع کریں رک جاؤ! قرآن مجید) "اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ" (اللہ کی فرماں برداری کرو اور رسول کی اطاعت کرو! - قرآن مجید)

تو پھر قرآنی منصوصات اور حدیثی تصریحات کے خلاف اپنی طرف سے کوئی اصلاح وترمیم پیش کرنا، اور اپنی مصلحت اندیشیوں کو قرآن وحدیث پر حاکم بنانا ایمان کا نتیجہ نہیں کہلائے گا۔

توحید یہ نہیں ہے کہ ہر شخص اپنی مصلحت کوشیوں کو قرآن و حدیث کی صداقت کی کسوٹی بنائے۔ یہ انداز فکر از سر تا پا بالکل کھلا شرک ہے۔

اِتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰاهُ اپنی خواہش کو اِلٰہ (خدا) بنا لیا۔

بندگی یہ نہیں ہے کہ شیطان کی طرح کوئی منکر سجدہ ہو اور فرمان الٰہی کی صحت و صداقت کو اپنی عقل و فہم سے جانچے۔ بلکہ بندگی اس کا نام ہے کہ اللہ و رسول کے احکام کے سامنے اپنا سر جھکا دے۔

آدم خاکی کے سامنے سر بسجدہ ہونے کا حکم ملے تو پورے انشراح قلب اور رغبت و محبت سے سجدے میں گر جائیں۔ مٹی پتھر کی ایک عمارت کو جسے کعبہ کہتے ہیں قبلۂ عبادت و مرکزِ سجود قرار دیا جائے تو ہم بے جھجک اس کے سامنے زمین پر ماتھا ٹیک دیں ؎

گیا شیطان مارا، ایک سجدے کے نہ کرنے سے اگر لاکھوں برس سجدے میں سر مارا تو کیا مارا؟

توحید نام ہی ہے اس کا کہ ماسوی اللہ کی حاکمیت سے انکار کر کے صرف ایک اللہ کی حاکمیت کا اقرار کریں حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ ہدایات ملی ہیں ان کو فرمان الٰہی جانیں۔ اپنی ہوائے نفس کو کبھی درمیان میں آنے دیں اگر اللہ کے کسی حکم میں شرک کا رجحان پایا جاتا ہو تو یہ قصور ہماری ہی عقل کا ہے جو توحید و شرک کی حقیقت سے ہنوز نا آشنا ہے۔

فرض کیجیے کعبۃ اللہ کے بدلے اگر اللہ رب العزت روضۂ انور کو قبلۂ عبادت قرار دیتا، اور اپنی حمد و ثنا کی جگہ شروع سے آخر تک نمازوں میں صرف درود و سلام کا حکم دیتا تو کیا کوئی مومن یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ اللہ کے اس فرمان کو رد کر کے ابلیس لعین کی طرح بغاوت و سرکشی کی راہ اختیار کرتا ہرگز نہیں تعبد و مصلحت اندیشی کے درمیان وہی فرق ہے جو ملکوتیت اور ابلیسیت میں ہے لہذا قرآن و حدیث کی تصریحات کے بعد بھی اگر کوئی شخص صرف اس لیے صلوٰۃ و سلام کی کثرت سے باز رہتا ہے کہ پرستار رسول نہ بن جائے، تو ایسا طرزِ فکر کتنا غیر مومنانہ ہے۔ ہم بندے ہیں معبود کے حکموں کی اطاعت ہمارا شعار ہونا چاہیے۔ حیرت ہے جب اللہ جل مجدہ نے "وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ" (اور ہم نے آپ کے لیے آپ کے ذکر کو رفعت و بلندی عطا کی قرآن مجید) کہہ کر حضور صاحب لولاک صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات و صفات سے متعلق ہر طرح کے اذکار کو عظمت و بزرگی بخشی اور یہاں تک کہہ دیا کہ "اِنَّمَا جَعَلْتُ ذِكْرَكَ ذِكْرِيْ" (میں نے آپ کے ذکر کو اپنا ذکر قرار دیا۔ حدیث شریف) اور اذکار جمیلہ میں ذکر ولادت، ذکر معجزات، ذکر معراج، اور صلوٰۃ و سلام سبھی داخل ہیں۔ اور ان میں صلوٰۃ و سلام پر قرآن و حدیث نے بہت زیادہ زور دیا ہے۔ کیا اس کے بعد بھی صلوٰۃ و سلام کی محفلوں، حلقوں اور مجلسوں سے انکار کی کوئی وجہ جواز ہے۔

عجب تماشا ہے کہ صحابہ کرام علمائے سلف حضور سید عالم علیہ السلام کو جن نگاہوں سے دیکھتے تھے آج ان نگاہوں کو شرک وکفر سے آلودہ بتایا جارہا ہے۔ صحابہ کرام کے سامنے جب کوئی مسئلہ آتا تو بیک زبان ہوکر کہہ اٹھتے۔ اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ (یعنی اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں) ایک کلمہ "اِعْلَمْ" جو اسم تفضیل کا صیغہ ہے، صحابہ کرام اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف منسوب کرتے ان کے ایمان نے اس اسناد و اضافت کو کبھی خلاف توحید نہیں سمجھا اور نہ اللہ کے رسول ہی نے صحابہ کو اس سے روکا۔

مگر آج یہ حال ہے کہ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے مقام علمی کو موضوع بحث وجدال بنایا جاتا ہے۔ ھیھات ھیھات

بخاری ومسلم میں حضرت حذیفہ بن یمان کی روایت ہے قلت یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّا کُنَّا فِیْ جَاھِلِیَّۃٍ وَشَرٍّ فَجَآءَنَا اللّٰہُ بِھٰذَا الْخَیْرِ فَھَلْ بَعْدَ ھٰذَا الْخَیْرِ مِنْ شَرٍّ ؟ (میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول بیشک ہم لوگ جاہلیت وشر میں مبتلا تھے کہ اللہ خیر کے ساتھ ہمارے پاس آگیا، تو کیا اس خیر کے بعد بھی کوئی شر ہے؟ (بخاری ومسلم)

غور فرمائیے کہ اللہ تو نہ کہیں آیا نہ گیا، مگر صحابہ کرام حضور علیہ السلام کی تشریف آوری کو اللہ کی آمد سے تعبیر کر رہے ہیں، محدثین عظام حضور کی آمد کو رسول ونبی کی آمد کہتے ہیں، اور دونوں حق بجا ہیں۔ صحابہ نے حضور علیہ السلام کی آمد کو

مجازاً اللہ کی آمد کہا اور اس اندازِ بیان میں ان کو کوئی شرک نظر نہیں آیا۔ اور محدثین نے حقیقت کو سامنے رکھ کر حدیث مذکور میں اللہ کی آمد سے رسول و نبی کی آمد مراد لی صحابہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے جلوے نظر آئے۔ اور محدثین نے اس پیکر خوبی میں رسالت و نبوت کی تابانیاں دیکھیں، مگر آج کے گستاخوں کو حضور علیہ السلام کے اندر بشریت کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ اپنی اپنی آنکھیں ہیں اور اپنا اپنا فہم اور اپنا اپنا ایمان۔ ؎

آنکھ والا ترے جلوؤں کا تماشا دیکھے   دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

مگر افسوس آج توحید کا مفہوم یکسر بدل گیا ہے۔ اللہ کی آمد سے اپنے جیسے ایک بشر کی آمد کے معنی لوگوں کے ذہن میں اُتارنے کی کوشش کی جاتی ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر لوگوں کا ایمان و عقیدہ اس حد تک نیچے کس طرح اُتر آیا؟

ذرا سوچئے تو حضور اکرم صلے اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد ایک بشر کی آمد تھی، یا ایک رسول کی آمد تھی۔ آپ اپنی بشریت منوانے کیلئے آئے تھے یا اپنی رسالت منوانے کے لیے؟ اور ہماری نجات و فلاح کا راز آپ کی بشریت کے اقرار میں ہے۔ یا آپ کی رسالت و نبوت کے اقرار میں؟

حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی جہت بشری کی غایت اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ بنی نوع انسان آپ سے مانوس ہوں، اور "الجنس یمیل الی الجنس" کا

فطری اصول قبول احکام میں ہمارا رفیق اور ممد ومعاون ہو۔

ورنہ تاجدار دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم کی اصلی جہت رسالت ہے۔ اور جس طرح خلاق عالم نے ہمارے انس ومیلان کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو بشری جہت عطا فرمائی تاکہ تعاطی احکام وقبول ہدایت میں ہم کوئی دشواری محسوس نہ کریں، اسی طرح نورانی مخلوق یعنی فرشتوں سے احکام لینے، بلکہ خود نور تک وصول ورسائی کے لئے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی جہت نبوت ورسالت کو نورانی ہونا چاہیے یا نہیں؟ اور جہت نبوت ورسالت پر ایمان لانے کی پابندی کی وجہ سے ہماری تمام توجہات حضور کی جہت بشری سے ہٹ کر جہتِ نوری ونورانی پر مرکوز رہنی چاہیے یا نہیں ــــــــــــــــ؟

(اس بحث کو راقم الحروف کے رسالہ نبی کی بشریت میں ملاحظہ فرمائیے ــــــــــــــــ محمد ہاشم

قرآن و حدیث کی روشنی میں صلوٰۃ و سلام کی اہمیت و عظمت پر کافی بحث کی جا چکی اور امید ہے کہ مذکورہ تفصیلات کے بعد جس کے دل میں ایک ذرہ ایمان ہے صلوٰۃ و سلام کی عظمت میں کوئی شک و شبہ نہیں کریگا۔ ذیل میں چند احادیث درود شریف کے فضائل میں درج کی جاتی ہیں تاکہ درود شریف کی اہمیت کا دوسرا رخ بھی سامنے آجائے۔

قَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ وَاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرًا

(جس نے مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجا اللہ تبارک و تعالیٰ اس پر دس بار درود بھیجتا ہے)

(مسلم - ابوداؤد - نسائی - ترمذی - ابن حبان)

غور فرمائیے کہ ہماری ایک صلوٰۃ ہزار ثمین و گراں قیمت سہی مگر پھر بھی ایک بندۂ نامقدور و عاجز کی صلوٰۃ ہے۔ اس کے مقابلے میں قدیر و قیوم اللہ کی صلوٰۃ کا مرتبہ اور مقام کیا ہوگا؟ اور پھر بھی ہماری ہر صلوٰۃ کے بدلے میں اللہ کی طرف سے دس صلوٰۃ کا معیار و مفہوم کی اہمیت کیا ہونی چاہیئے بصیرتِ ایمانی ہی اس کا کچھ اندازہ کرسکتی ہے۔

حدیث ۱۹۔ قَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ مَرَّۃً وَّاحِدَۃً کَتَبَ اللّٰہُ لَہٗ بِھَا عَشْرَ حَسَنَاتٍ۔ (ترمذی)

ترجمہ جس نے مجھ پر ایک بار درود بھیجا اللہ سبحانہٗ اس ایک درود کے بدلے درود خواں کے نامۂ اعمال میں دس نیکیاں لکھ دیتا ہے۔ (ترمذی)

غور فرمائیے جب انعام دینے والے ہمیشہ اپنے معیار و مرتبے کے موافق انعام دیا کرتے ہوں تو اللہ رب العزت کا انعام کیسا گراں بہا اور بیش قیمت ہوگا۔ اور وہ بھی ایک ایسے عمل خیر و سعادت پر جو عمل خود اللہ کو اس حد تک محبوب و پسندیدہ ہے کہ ذات صمدیت اپنے تمام ملائکہ کے ساتھ ارسال صلوٰۃ میں مدادم ہے۔ اور تمام مومنین بھی اس عمل کے پابند بنائے گئے ہیں

حدیث[۲] ۔ قَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلٰوۃً وَّاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ وحط عَنْہُ بِھَا عشر سیئات وَرَفَعَہٗ بِھَا عَشْرَ دَرَجَاتٍ ۔ (احمد ۔ نسائی ۔ ابن حبان ۔ حاکم)

ترجمہ۔ جو کوئی مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجے، اللہ تبارک وتعالیٰ اس پر دس بار درود بھیجتا ہے اور اس ایک درود کے وسیلے اس کی دس خطائیں معاف کرتا ہے اور اسی ایک درود کے وسیلے سے اس کے دس درجے بلند کرتا ہے۔

حدیث[۲۱] ۔ قَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ وَاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرًا وَمَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عَشْرًا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ مِائَۃً وَمَنْ صَلّٰی عَلَیَّ مِائَۃً کَتَبَ اللّٰہُ بَیْنَ عَیْنَیْہِ بَرَاءَۃً مِّنَ النِّفَاقِ وَبَرَاءَۃً مِّنَ النَّارِ وَاَسْکَنَہُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ مَعَ الشُّھَدَآءِ ۔ (رواہ الطبرانی فی الاوسط والصغیر)

ترجمہ۔ جو کوئی مجھ پر ایک صلوٰۃ بھیجے اللہ اس پر دس صلوات بھیجتا ہے۔ اور جو کوئی مجھ پر دس صلوات بھیجے اللہ رب العزت اس پر سو صلوات بھیجتا ہے۔ اور جو کوئی مجھ پر سو صلوات بھیجے، اللہ رب العزت اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان (پیشانی پر) لکھ دیتا ہے۔ "بَرَآءَۃٌ مِّنَ النِّفَاقِ وَبَرَآءَۃٌ مِّنَ النَّارِ" (منافقت سے پاک اور جہنم سے محفوظ ہے) اور اللہ تبارک وتعالیٰ بروز قیامت شہداء کے ساتھ سکونت وقیام عطا کرے گا۔

طبرانی نے اوسط وصغیر میں روایت کی ہے اس روایت کی سند میں ابراہیم ایک ایسے راوی ہیں جن کے خلاف یا موافق محدثین کی کوئی رائے نہیں ملتی ہے

حدیث[۲۲]۔ عَنْہُ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ قَالَ اِنَّ جِبْرِیْلَ قَالَ لِیْ اَلَا یَسُرُّکَ اَنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ یَقُوْلُ مَنْ صَلّٰی عَلَیْکَ صَلَّیْتُ عَلَیْہِ وَمَنْ سَلَّمَ عَلَیْکَ سَلَّمْتُ عَلَیْہِ فَسَجَدْتُ لِلّٰہِ شُکْرًا (احمد، حاکم، ابو یعلیٰ، ابن ابی الدنیا)

ترجمہ۔ فرمایا کہ بے شک جبریل نے مجھ سے کہا کیا آپ کو مسرت نہ ہوگی کہ بیشک اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ جو کوئی آپ پر صلوٰۃ بھیجے میں اس پر صلوٰۃ بھیجتا ہوں اور جو کوئی آپ پر سلام بھیجے میں اس پر سلام بھیجتا ہوں تو میں نے اللہ کا سجدۂ شکر ادا کیا

اس سجدہ شکر کا سبب اپنی امت پر اللہ کی نوازش وانعام ہے۔

حدیث[۲۳]۔ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ فَصَلّٰی فَسَجَدَ فَاَطَالَ السُّجُوْدَ فَبَکَیْتُ وَقُلْتُ قَبَضَ اللّٰہُ رُوْحَہٗ قَالَ

فَرَفَعَ رَأْسَهُ فَدَعَانِي فَقَالَ مَا لَكَ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ!
اطَالَتِ السُّجُوْدَ قُلْتُ قَبَضَ اللّٰهُ رُوْحَ رَسُوْلِهٖ لَا اَرَاهُ اَبَدًا
قَالَ سَجَدْتُّ شُكْرًا لِرَبِّیْ فِيْمَا اَبْلَانِیْ فِیْ اُمَّتِیْ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ
صَلٰوۃً مِّنْ اُمَّتِیْ کَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ عَشْرَ حَسَنَاتٍ وَّمَحٰی عَنْهُ عَشْرَ سَيِّئَاتٍ

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف راوی ہیں حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز پڑھی پھر سجدہ کیا۔ اور اتنا طویل سجدہ کیا کہ میں رونے لگا اور دل میں کہا کہ اللہ تبارک وتعالےٰ نے آپ کی روح کو واپس لے لیا۔ عبدالرحمن بن عوف کہتے ہیں کہ پھر آپ نے سر اُٹھا کر مجھے بلایا اور فرمایا کہ تمہارا یہ کیا حال ہے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے سجدہ اتنا دراز کیا کہ میں سمجھا کہ اللہ نے اپنے رسول کی روح واپس لے لی۔ اب میں کبھی آپ کو نہیں دیکھوں گا۔ ارشاد فرمایا کہ میں نے اپنے رب کا سجدۂ شکر ادا کیا جو اس نے میری امت پر انعام ونوازش فرمائی یعنی جو کوئی میری امت میں سے مجھ پر ایک بار صلوٰۃ بھیجتا ہے، اس کے نامۂ اعمال میں اللہ دس نیکیاں لکھتا ہے، اور اس کی دس برائیاں مٹاتا ہے۔

اللہ اللہ درود شریف پر اللہ کے الطاف وعنایات کی خبر سن کر حضور سجدۂ شکر ادا کریں اور ایسا طویل سجدہ ہو کہ ایک عشری صحابی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو آپ کی وفات کا گمان ہو، اور وہ بے قابو ہو کر رونے لگیں۔ مگر اس امت میں آج ایسے حضرات بھی پائے جاتے ہیں جو اللہ کے وعدوں پر اعتبار نہیں کرتے اور حضور کے ذکر کو

بے قیمت سمجھتے ہیں۔ خود بھی صلوٰۃ وسلام سے باز رہتے ہیں اور دوسرے مومنین کو صلوٰۃ و سلام کی محفل کی شرکت سے روکتے ہیں۔ اور اس کے بعد بھی دعوی کرتے ہیں کہ وہ حضور کے مُتبع اور پیرو ہیں

حدیث[۲۴]۔ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ مَرَّةً كُتِبَ لَهٗ عَشْرُ حَسَنَاتٍ وَمُحِيَ عَنْهُ بِهَا عَشْرُ سَيِّئَاتٍ وَرُفِعَ بِهَا عَشْرُ دَرَجَاتٍ وَكُنَّ لَهٗ عَدْلُ عَشْرِ رِقَابٍ۔ (ابن ابی عاصم، نسائی، طبرانی، بزار، باستثنائے عشر رقاب)

ترجمہ۔ حضور کا اعلان ہے کہ جو کوئی مجھ پر ایک بار درود بھیجے اس کے اعمالنامے میں دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اسی ایک درود کے عوض دس برائیاں مٹائی جاتی ہیں اور درود خواں کے دس درجے بلند کیے جاتے ہیں اور دس غلام کے آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے (ابن ابی عاصم۔ نسائی۔ طبرانی۔ بزار۔ با استثنا عشر رقاب)

حدیث[۲۵]۔ مَنْ صَلّٰى عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَمَلٰئِكَتُهٗ سَبْعِيْنَ صَلٰوةً۔ (احمد)

ترجمہ۔ جو کوئی نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر ایک بار درود بھیجے اللہ اور اس کے فرشتے ستر بار صلوٰۃ بھیجتے ہیں۔ (احمد)

حدیث[۲۶]۔ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَآءَ ذَاتَ يَوْمٍ وَالسُّرُوْرُ يُرٰى فِيْ وَجْهِهٖ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا لَنَرَى السُّرُوْرَ فِيْ وَجْهِكَ فَقَالَ اِنَّهٗ اَتَانِي الْمَلَكُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ

اَمَا یُرْضِیْكَ اِنَّ رَبَّكَ عَزَّوَجَلَّ یَقُوْلُ اَنَّہٗ لَا یُصَلِّیْ عَلَیْكَ اَحَدٌ مِّنْ اُمَّتِكَ اِلَّا صَلَّیْتُ عَشْرًا وَّ لَا یُسَلِّمُ عَلَیْكَ اَحَدٌ مِّنْ اُمَّتِكَ اِلَّا سَلَّمْتُ عَلَیْہِ عَشْرًا ؟ قَالَ بَلٰی (ابن حبان، طبرانی، احمد، نسائی)

ترجمہ۔ بے شک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ایک دن اس حال میں کہ آپ کا روئے انور مسرت و شادمانی سے چمک رہا تھا۔ تو صحابۂ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ بے شک ہم لوگ دیکھ رہے ہیں آپ کے نورانی چہرے میں خوشی کے جلوے آپ نے ارشاد فرمایا بتحقیق میرے پاس اللہ کا خاص فرشتہ آیا اور کہا کہ اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کیا اس خبر سے آپ کو خوشی نہ ہوگی کہ آپکا پروردگار (عزوجل) فرماتا ہے کہ آپ کی امت میں سے کوئی آپ پر درود نہیں بھیجتا ہے مگر میں اس پر دس صلوات بھیجتا ہوں (یعنی آپ کے امتی کو ہر ایک صلوٰۃ کے بدلے میں دس صلوات) اور نہیں سلام بھیجتا ہے آپ پر آپ کی امت میں سے کوئی مگر میں سلام بھیجتا ہوں اس پر دس بار (یعنی آپ پر ہر سلام کے بدلے امتی کو اللہ کی طرف سے دس سلام پہنچتے ہیں) آپ نے فرمایا ہاں (ابن حبان طبرانی احمد نسائی)

حدیث ۲۷۔ اِنَّ اللہَ وَکَّلَ مَلَکًا مِّنْ لَّدُنْ خَلَقَكَ اِلٰی اَنْ تَبْعَثَكَ لَا یُصَلِّیْ عَلَیْكَ اَحَدٌ مِّنْ اُمَّتِكَ اِلَّا قَالَ وَاَنْتَ صَلَّی اللہُ عَلَیْكَ

ترجمہ۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ فرشتے نے کہا کہ بے شک اللہ عزوجل نے متعین کر دیا ہے ایک فرشتہ آپ کی پیدائش سے روزِ قیامت تک کے لیے

آپ کی امت میں سے کوئی آپ پر درود نہیں بھیجتا ہے مگر وہ فرشتہ جواب دیتا ہے کہ "وَاَنْتَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ" اور تجھ پر اللہ "صلوٰۃ" بھیجتا ہے۔

مذکورہ حدیثوں سے صلوٰۃ وسلام کی فضیلت ظاہر ہو گئی۔ نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر اللہ جل مجدہٗ کو کتنا محبوب ہے؟ حضور کے ذکر کے وسیلے سے اللہ کی بے پایاں رحمتیں حاصل ہوتی ہیں آخر اللہ بھی حضور ہی کے وسیلے سے ملا۔ "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" کی معرفت سے "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کا عرفان ہوتا ہے۔ دنیا و آخرت کی نعمتیں ساری کی ساری اللہ کے کرم پر موقوف ہیں۔ اور کرم الٰہی کے لیے حضور کی ذات اور آپ کا ذکر کامیاب و یقینی وسیلہ ہے۔

مواقع صلوٰۃ وسلام

علمار و مجتہدین کے اختلافات کو سامنے رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل موقعوں میں صلوٰۃ وسلام کی اہمیت ثابت ہوتی ہے۔

اوّل۔ نماز میں تشہّد کے اندر سلام و تشہّد کے بعد ہر قعدہ میں صلوٰۃ اور بعضوں کے نزدیک قعدہ اخیرہ میں سلام فراغ سے پہلے تشہّد کے بعد صلوٰۃ بہت اہمیت رکھتی ہے۔

دوم۔ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا نام نامی جب مذکور ہو۔

سوم۔ جب آیۂ کریمہ "صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا" کی تلاوت کرے یا سُنے۔ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)

چہارم۔ ہر اذان و اقامت کے بعد اور دعائے وسیلہ سے پہلے۔ (دعائے وسیلہ یہ ہے اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ الخ)

پنجم۔ ہر دعا کے ساتھ، تاکہ دعائیں صلوٰۃ وسلام کے وسیلے سے بارگاہِ حق تک رسائی حاصل کریں اور مقبول ہوں۔

ششم۔ مسجد میں داخل ہوتے وقت جیساکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی فاطمہ بنت حسین کی روایت ہے۔

حدیث[٢٨]۔ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْحُسَيْنِ عَنْ جَدَّتِهَا فَاطِمَةَ الْكُبْرٰى

رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا قَالَتْ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
إِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ صَلّٰی عَلٰی مُحَمَّدٍ وَسَلَّمَ وَإِذَا خَرَجَ صَلّٰی
عَلٰی مُحَمَّدٍ وَسَلَّمَ (ترمذی - احمد - ابن ماجہ)

ترجمہ - فاطمہ بنت حسین اپنی جدہ مکرمہ حضرت فاطمۃ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا
روایت کرتی ہیں انہوں نے کہا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم جب داخل ہوتے مسجد میں
تو درود و سلام بھیجتے اور جب باہر آتے مسجد سے تو درود و سلام بھیجتے
(ترمذی - احمد - ابن ماجہ)

وَفِیْ رِوَایَۃٍ قَالَتْ إِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَإِذَا خَرَجَ قَالَ
بِسْمِ اللّٰہِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ بَدَلَ صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَسَلَّمَ

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا نے کہا کہ حضور
سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم جب داخل ہوتے مسجد میں، اور جب باہر آتے
مسجد سے تو کہتے "بِسْمِ اللّٰہِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ" "صَلَّی اللّٰہُ
عَلٰی مُحَمَّدٍ وَسَلَّمَ" کے بدلے

ہفتم - مسجد سے باہر آتے وقت (جیسا کہ حدیث بالا میں مذکور ہے)

ہشتم - کسی مومن کے مکان میں داخل ہوتے وقت بالخصوص جب وہ مکان
خالی اور غیر آباد ہو - یعنی جہاں داخلے کے وقت کوئی موجود نہ ہو۔

قرآن مجید میں فرمان الٰہی ہے کہ کسی مکان میں سلام کیے بغیر مت اندر جاؤ!

مفسرین کرام اس مطلق حکم کے تحت لکھتے ہیں کہ جن مکانوں میں لوگ
موجود ہوں فریضہ سلام کی بجاآوری میں غور وتامل کا سوال نہیں پیدا ہوتا
لیکن جو مکانات مکین سے خالی ہوں ان میں داخلے کے وقت سلام کا حکم
کیونکر بجالایا جائے گا۔ قرآن مجید نے اس مطلق حکم میں کوئی تخصیص نہیں کی۔
اور کوئی استثنائی قید نہیں لگائی جس سے آباد وغیرآباد میں فرق کیا جائے
لہٰذا ایک جماعت کا فیصلہ ہے جس میں ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں
کہ آباد مکان میں داخلے کے وقت حاضرین کو سلام کیا جائے گا اور خالی مکانوں میں
داخلے کے وقت حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجا جائے گا
کیونکہ حضور تمام مومنین کے ولی، ان کے اموال کے مالک ہیں اور حضور
صلے اللہ علیہ وسلم اپنے کمالات روحانی اور لطافت نورانی سے ہر مومن کے
مکان میں موجود ہیں۔

جب اس آیت قرآنی سے حکم عام ثابت ہو رہا ہے تو غیرآباد مکانوں میں بھی
ہمیں سلام کرتے ہوئے داخل ہونا چاہیے۔ اگر ہمارے جیسے بشر وہاں موجود نہیں
ہیں، تو ہمیں حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر سلام بھیجتے ہوئے داخل ہونا چاہیے

نہم۔ جمعہ وشب جمعہ کو صلوٰۃ وسلام کی کثرت کرنی چاہیے۔

دہم۔ خوشی کے دنوں میں مثلاً ایام ولادت میں

یازدہم۔ غم کے دنوں میں مثلاً ایام وفات میں جیسا کہ جمعہ کے دن

کثرت درود و سلام کا حکم دیتے ہوئے حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فِیْهِ خُلِقَ اٰدَمُ وَفِیْهِ قُبِضَ

یا سیدنا عیسٰے وسیدنا یحییٰ علیہما السلام کے متعلق قرآن مجید کا اعلان ہے وَسَلَامٌ عَلَیْهِ یَوْمَ وُلِدَ وَیَوْمَ یَمُوْتُ وَیَوْمَ یُبْعَثُ حَیًّا

بعد وفات صلوٰۃ وسلام

حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم جب لوگوں کی نگاہ حسی کے سامنے ہوتے تو عرض سلام و اظہار صلوٰۃ میں کوئی دقت اور اُلجھن نہیں تھی لیکن غیبت کی حالت میں خواہ حیات حسی کے دنوں میں ہو یا یہ غیبت وفات شریف کے بعد ہو عرض صلوٰۃ وسلام میں بعض اذہان متردد ہو سکتے ہیں اور یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ "سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا" کی تعمیل کی کیا صورت ہوگی ؟

• "سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا" کے معنی سلام بھیجو اور بہ تاکید سلام بھیجو ! نیز اس حکم کے مخاطب بلا استثنا ، تمام مومنین ہیں۔ اس حکم کا نفاذ کسی خاص زمان و مکان کے ساتھ وابستہ نہیں ، اور نہ کسی زمانے میں اس حکم الٰہی کی تعطیل والتوا جائز ہے۔ اور صحیح حدیثوں سے یہ معلوم ہو چکا کہ حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر عرض سلام کا بہتر طریقہ وہی ہے جس کی تعلیم تشہد میں دی گئی ہے

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ

عرضِ سلام کا مذکورہ طریقہ عہدِ رسالت میں یکساں جاری رہا۔ صحابۂ کرام نے کبھی آپ کی حیاتِ حقّی میں حضور و غیبت کی وجہ سے عرضِ سلام کے مقررشدہ طریقے میں کوئی ترمیم و اصلاح نہیں کی اور نہ حضور علیہ السلام کی طرف سے صراحۃً نہ ہی کنایۃً و اشارۃً بھی کسی ترمیم و تنسیخ کا ثبوت ملتا ہے اور آج بھی ساری امت میں عرضِ سلام کا وہی قدیم طریقہ رائج ہے۔

"سَلِّمُوا تَسْلِيمًا" یہ مفہوم تو ہرگز قابلِ قبول نہیں ہو سکتا کہ "اے مسلمانو سلام بھیجنے کی نقل کرو"! جیسا کہ بعض حضرات بے خبری و لاعلمی کی وجہ سے کبھی کبھی بیان کرتے ہیں۔ اور اپنے اس بیان کی تائید میں کوئی واضح دلیل پیش کرنے سے جب عاجز ہوتے ہیں تو ڈوبتے کو تنکے کا سہارا "اَلْغَرِيْقُ يَتَشَبَّثُ بِكُلِّ حَشِيْشٍ" کی مصداق کہا کرتے ہیں کہ تشہد واقعہ معراج کی نقل و حکایت ہے۔ اس میں مذکور عرضِ سلام بھی نقل حکایت ہے اس میں شبہ نہیں کہ تشہد شانِ نزول کے اعتبار سے واقعہ معراج سے متعلق ہے مگر احکامِ قرآنی و تعلیماتِ نبوی کا دائرۂ عمل شانِ نزول میں اتنا محدود نہیں ہوتا لہذا "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ" کہنے کے وقت عرضِ سلام میں نیت و ارادے کو شریک وہم زبان ہونا چاہیے تاکہ "سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا" کی تعمیل ہو۔ صحابۂ کرام اس عرضِ سلام کو اپنی طرف سے فرمانِ الٰہی کی بجا آوری قرار دیتے تھے۔ جیسا کہ انہوں نے بارگاہِ رحمت پناہ میں عرض کیا تھا

قَدْ عَلِمْنَا کَیْفَ نُسَلِّمُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ!

"بے تحقیق ہم جان چکے ہیں کہ آپ پر سلام کس طرح عرض کریں :"

اور اس سے ان کی مراد تشہد کا سلام تھا

رہی یہ بات کہ بارگاہِ رسالت میں عرضِ سلام کا ہم وہی طریقہ اختیار کرتے ہیں جو اللہ رب العزت نے شب معراج اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے پسند فرمایا تھا تو اس سے ہماری تسلیم کی عزت و عظمت دو بالا ہو جاتی ہے۔ زمینی سلام کا دائرہ عرشی سلام سے مل جاتا ہے۔ مومنین کو عرض سلام کا حکم دے کر ادائے فرض کیلئے اللہ رب العزت نے تسلیم کی اسی صورت کو پسند فرمایا جس کی عملی مثال شب معراج خود ذاتِ احدیت نے قائم فرمائی۔ قولِ الٰہی کے ساتھ فعلِ الٰہی بھی صلوٰۃ وسلام میں ہمارا رہنما اور نمونہ عمل ہے۔ جب ہر زمانہ اور ہر جگہ عرض سلام بصیغۂ خطاب پسندیدہ ہے تو ہر مکان آباد وغیر آباد میں داخلے کے وقت حضور پر سلام بھیجنا قابلِ نزاع و خلاف نہیں سمجھا جا سکتا۔ مفسرین کرام کے بیانات اس سلسلہ میں حق اور دلائل کے اعتبار سے درست معلوم ہوتے ہیں۔

نیز "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ" کی طرح یا نبی سلام علیک بھی ہے اس کی پسندیدگی و خوبی میں کسی بحث و نظر کی گنجائش نہیں ہے۔

حضور کو مخاطب کرکے غائبانہ صلوٰۃ و سلام بھیجنا درست ہے۔ جیسا کہ "سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا" تعلیمی و تعمیلی تفسیر "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ" سے ثابت ہو چکی

اہل ایمان کے لیے اس ایک دلیل کے بعد مزید دلائل و شواہد کی ضرورت نہیں رہتی۔ پھر بھی متعدد حدیثیں پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ حضور علیہ السلام پر جب کبھی اور جہاں کہیں سے بھی صلوٰۃ و سلام بھیجا جاتا ہے وہ حضور پُر نور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ تک ضرور پہنچتا ہے۔

حدیث[۲۹]۔ اَکْثِرُوا الصَّلٰوۃَ عَلَیَّ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ فَاِنَّہٗ اَتَانِیْ جِبْرِیْلُ اٰنِفًا عَنْ رَبِّہٖ عَزَّوَجَلَّ فَقَالَ مَا عَلَی الْاَرْضِ مِنْ مُّسْلِمٍ یُصَلِّیْ عَلَیْکَ مَرَّۃً وَّاحِدَۃً اِلَّا صَلَّیْتُ اَنَا وَ مَلٰئِکَتِیْ۔ (رَوَاہُ الطِّبْرَانِیْ)

ترجمہ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا مجھ پر روز جمعہ بہ کثرت درود بھیجو! کیونکہ ابھی پہلے میرے پاس جبریل اپنے رب عزوجل کی طرف سے آئے اور کہا روئے زمین پر کوئی مسلمان ایسا نہیں ہے جو آپ پر ایکبار درود بھیجے (اللہ فرماتا ہے) مگر میں صلوٰۃ بھیجتا ہوں، اور میرے فرشتے سب صلوٰۃ بھیجتے ہیں اس پر دس بار (طبرانی)

غور فرمایئے ہماری ایک صلوٰۃ کا اجر اللہ کریم و مفضال کی طرف سے دس صلوٰۃ اور اسی طرح اس کے تمام فرشتوں کی طرف سے دس دس صلوات ہیں ان تمام صلوات کے مجموعے کا علم اللہ تعالےٰ ہی کو ہے۔ جو اپنے فرشتوں کی گنتی اور شمار سے آگاہ ہے۔

دوسری حقیقت اس حدیث سے یہ معلوم ہوئی کہ کسی مومن کا درود بے اجر و بے ثواب نہیں رہتا۔ فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔

اس حدیث کی روشنی میں حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر عرض صلوٰۃ وسلام کے مواقع میں پورے ایک دن کا اضافہ ہے یعنی روز جمعہ جو سیدالایام ، اور یوم العبادت ، نیز ہفتے کی عید ہے۔ اور اللہ رب العزت کے نزدیک، نہایت پسندیدہ وغایت برگزیدہ عمل حضور پر صلوٰۃ وسلام کی کثرت ہے۔

حدیث ۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّی عَلَیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرًا وَمَلَکٌ مُوَکَّلٌ بِھَا حَتّٰی یُبَلِّغَنِیْ (طبرانی)

ترجمہ ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ جو کوئی مجھپر درود بھیجے اللہ اس پر دس درود بھیجتا ہے اور ایک فرشتہ مقرر ہے جو درود مجھ تک پہنچاتا ہے

حدیث ۔ قَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اِنَّ لِلّٰہِ مَلٰئِکَۃً سَیَّاحُوْنَ یُبَلِّغُوْنَ عَنْ اُمَّتِیْ السَّلَامَ (نسائی ۔ ابن حبان)

ترجمہ ۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے بیشک اللہ کے فرشتوں کی ایک جماعت ہے جو ہمیشہ سیاحت میں رہتے ہیں اور میری امت کا سلام مجھکو پہنچاتے ہیں۔

حدیث ۔ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ حَیْثُمَا کُنْتُمْ فَصَلُّوْا عَلَیَّ فَاِنَّ صَلٰوتَکُمْ تَبْلُغُنِیْ ۔ (طبرانی)

ترجمہ ۔ بیشک حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ جہاں کہیں بھی ہو مجھ پر درود بھیجو اس لیے کہ تمہارا درود مجھ تک پہنچتا ہے ۔ (طبرانی)

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بارگاہ رحمت پناہ میں ایک فرشتہ اس کام پر مقرر ہے

اور حدیث[۳۱] میں ملائکہ سیاحین یعنی سیاح فرشتے بھی اس کام پر مقرر ہیں۔ لہٰذا دو طرح پر فرشتوں کی وساطت سے صلوٰۃ وسلام حضور علیہ السلام کی خدمت میں پہنچتا ہے۔ لیکن حدیث[۳۲] میں از خود بلا واسطہ درود وسلام کے پہنچنے کی خبر ہے۔ اس حدیث میں اگلی دونوں حدیثوں کی طرح کسی واسطہ ووسیلہ کا ذکر نہیں ہے۔ بارگاہ رحمت پناہ تک صلوٰۃ وسلام کی رسائی میں اس فرق وامتیاز کی وجہ صلوٰۃ وسلام بھیجنے والوں کی کیفیت، عقیدت، اخلاص، حضور قلب ہے

درود شریف تو بہر حال آپ علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ اخلاص وحضور کی کمی بیشی فاصلہ قرب وبعد بنتی ہے کسی کا سلام آستانے کا فرشتہ پہنچاتا ہے اور کسی کا سلام سیاحین فرشتے پہنچاتے ہیں اور کسی کا سلام بیواسطہ پہنچتا ہے اسی مضمون کو دوسرے کلمات میں یوں بیان کیا گیا ہے اِنِّیْ اَسْمَعُ سَلَامَ اَهْلِ مُحَبَّتِیْ بِغَیْرِ وَاسِطَةٍ (بے شک میں اپنے اہل محبت کا سلام کسی واسطے کے بغیر سنتا ہوں) اس مضمون کی تائید ایک دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے

حدیث[۳۳]۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ بَلَغَتْنِیْ صَلٰوتُهٗ

ترجمہ۔ جو کوئی مجھ پر صلوٰۃ بھیجے اسکی صلوٰۃ مجھ تک پہنچ جاتی ہے۔ (طبرانی)

اس حدیث میں کسی واسطے ووسیلے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ لہٰذا جب ہمارے درود وسلام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تک بے واسطہ براہ راست اور بالواسطہ ہر طرح پہنچتے ہیں اور اس رسائی ووصول پر ایمان ہے

تو پھر صیغۂ خطاب سے "یا نبی سلام علیک، یا رسول سلام علیک یا حبیب سلام علیک، صلوات اللہ علیک"، پر نکیر و اعتراض کی گنجائش نہیں رہتی، الا یہ کہ ہوائے نفس کی پیروی میں اپنی ضد سے کوئی حدیث ہی کا منکر ہو۔

مذکورۂ بالا بیان صرف اجتہاد و عقیدت ہی نہیں ہے بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تک براہ راست صلوٰۃ و سلام پہنچنے اور سلام کا جواب ملنے کی تائید میں دوسری صحیح اور صریح حدیثیں بھی موجود ہیں۔

حدیث[۴۴]۔ قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مَا مِنْ اَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ اِلَيَّ رُوْحِيْ حَتّٰى اَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ (احمد۔ ابو داؤد)

ترجمہ۔ حضور آقائے دو جہان صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص مجھ پر سلام نہیں بھیجتا مگر یہ کہ اللہ رب العزت میری طرف میری رُوح کو لوٹا دیتا ہے تاکہ میں اس کے سلام کا جواب دوں۔ (احمد۔ ابو داؤد۔)

اس حدیث میں قریب و بعید اور حاضر و غائب کی کوئی تخصیص نہیں ہے بلکہ جسم و روح کے اتصال کے ساتھ حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک ہر سلامی کو اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔

نیز اس حدیث سے مندرجہ ذیل امور بھی ثابت ہوئے۔

اوّل۔ ہماری آوازیں عالم ارواح میں سنی جاتی ہیں کیونکہ مضمون حدیث یہ ہے کہ سلام کا جواب دینے کے لیے جسم و روح کا اتصال ہوتا ہے جب کہ سلام

عالم ارواح میں پہلے سُنے جا چکے۔

دوؔم۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات برزخی جسم و روح کے اتصال کے ساتھ قائم ہے۔ اور وہ جو عمل بھی کرتے ہیں جسم و روح کے اتصال کے ساتھ کرتے ہیں، جیسا کہ سلام کے جواب میں جسم و روح کا اتصال ہونا مذکور ہے۔

سوؔم۔ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم جسم و روح کے اتصال کے بعد بھی زمان و مکان میں مقید نہیں ہوتے، بلکہ ہر سلامی کے سلام کا جواب دیتے ہیں اور نہ جانیں بیک وقت اس عالم ظہور میں کتنے خوش نصیب سلام بھیجتے رہتے ہیں۔ آپ ان سب پر مطلع ہوتے، اور ہر ایک کو جواب دیتے ہیں ہماری محدود عقل بشری اس وسعت ادراک و وسعت عمل کا اندازہ لگانے سے قطعًا عاجز ہے۔

چہارؔم۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیا کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجسام مطہرہ محفوظ رہتے ہیں اور ان میں ارواح منورہ کی آمد و شد قائم رہتی ہے

پنجم۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کوئی آن عرض سلام سے محروم نہیں ہے تو لا محالہ جواب سلام سے بھی کوئی لمحہ خالی نہ ہو گا۔ لہٰذا روح کی دو ہی کیفیتیں ہوں گی۔ (۱) روح پاک کا قیام ملیک مقتدر کے حضور میں ہو، اور اس کا ایک ایسا تعلق جسم اطہر کے ساتھ بھی باقی رہے جس سے جسم کی حیات قائم رہتی ہے تاکہ قبول سلام و جواب سلام کا عمل جاری رہے جسطرح آفتاب

اپنی شعاعوں سے عالم اجسام کو گرم عمل رکھتا ہے۔

(۲) روح تمام و کمال جسم ہی میں مقیم رہے۔

مگر پہلی صورت زیادہ مناسب ہے تاکہ تمام احادیث اور قرآن مجید کی آیتوں میں مطابقت و موافقت رہے۔ حضور کے لیے روضۂ انور میں حیات جسمانی بھی ثابت ہے اور ملیک مقتدر کے حضور قرار و قیام بھی

اسی حقیقت کی طرف عارفین نے اشارہ کیا ہے کہ جسم اطہر کے ذریعے حقیقت محمدیہ (صلے اللہ علیہ وسلم) نگاہ عالم میں کبھی بہ تمام و کمال ظاہر نہیں ہوئی جس طرح آج آفتاب حقیقت ملیک مقتدر کے حضور روشن ہے اور محض اپنی شعاعوں سے جسم اطہر کو حیات جسمانی سے منور و روشن رکھتا ہے، اسی طرح ایام ظہور میں بھی حقیقت باطنہ صرف جسم اطہر میں منعکس ہوتی رہی۔ اور اس کا مقام اصلی ملیک مقتدر کے حضور رہا ہے

ندانم مقام محمد چہ جائے (داشتم) کہ زیر قدم عرش اللہ آمد

ششتم۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وفات نبوی جسم و روح کی بے تعلقی کا نام نہیں ہے کیونکہ کائنات کا کوئی لمحہ ایسا نہیں تصور میں آسکتا جس میں آپ پر صلوٰۃ و سلام کہیں سے نہ پہنچتا ہو، اور خود آپکی تدفین سے پہلے صحابۂ کرام پانچ پانچ سات سات کی جماعت بناکر آپ کے جسد اطہر کے سامنے دست بستہ کھڑے ہوکر صلوٰۃ و سلام بھیجتے رہے۔ یہی تھی وہ نماز جنازہ جو آپ پر پڑھی گئی

تو لا محالہ آپ ان کے سلام کا جواب جسم و روح کے اتصال سے دیتے رہے
پھر موت کیسی اور موت کس چیز کا نام ہوا۔

انبیائے کرام کی وفات بالخصوص آپ علیہ السلام کی وفات جسم و روح کی
بے تعلقی کا نام نہیں ہے بلکہ ہم جسمانیوں کی آنکھوں اور دیگر حواس پر ایک
ایسے حجاب کی آویزش ہے جس کی تعبیر کے لیے کوئی لفظ معلوم نہیں۔

ہفتم۔ اس حدیث میں نہ تو مومن کی طرف سے سلام پہنچنے کا کوئی واسطہ
و وسیلہ مذکور ہے اور نہ جواب سلام کے لیے کسی واسطے اور وسیلے کا ذکر ہے
لہذا روایتوں میں تطبیق کی ایک صورت تو وہ تھی جو پہلے بیان کی گئی کہ درود
سلام بھیجنے والے کے اخلاص و توجہ کی وجہ سے بارگاہ رحمت پناہ تک صلوۃ و
سلام کی رسائی میں واسطے و فاصلے کا قرب و بعد مذکور ہے اور دوسرا پہلو یہ کہ
صلوٰۃ میں اخلاص و توجہ کے فرق سے قرب و بعد اور واسطہ و وسیلہ کا فرق پیدا ہوتا ہے
مگر سلام کے لیے کسی واسطہ و وسیلہ کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ آپ صلے اللہ
علیہ وسلم بے واسطہ سلام لیتے ہیں اور بے واسطہ جواب دیتے ہیں۔ کیونکہ سلام کی
اصل ہی ہے کہ بصیغۂ خطاب عرض کیا جائے اور مخاطبت کیلئے توجہ ضروری ہے
لہذا اِنِّیْ اَسْمَعُ سَلَامَ اَھْلَ مُحَبَّتِیْ بِغَیْرِ وَاسْطَۃٍ
(میں اپنے اہل محبت کا سلام بغیر واسطہ سنتا ہوں) اس حدیث کی
ہم معنی روایت ہے۔

حیاۃ الانبیاء

اس مسئلہ کو تفصیل و وضاحت کے ساتھ سمجھنے اور جاننے کے لیے ماہ نامہ تاج بہار کالونی کراچی کا حیاۃ النبی نمبر کا مطالعہ بہت مفید ہوگا۔ پھر بھی چند سطریں مناسب موقع لکھ دی جاتی ہیں۔ حیات و موت کی حقیقت کیا ہے؟ اس کو حیات و موت کا خالق ہی بہتر جانتا ہے۔ شہدائے کرام جن کے جسم کے ٹکڑے لوگوں کے سامنے ہوتے ہیں اور تکفین و تدفین بھی ان کی ہو جاتی ہے۔ قرآن کے اعلان کے مطابق وہ باوجود جسم پارہ و مدفون زندہ ہیں، اور رزق بھی پاتے ہیں۔

اسی طرح کفار جو اپنے تنومند و توانا جسموں کے ساتھ ارکان معاشرہ بنے ہوئے زندوں کے زمرے میں شمار ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ انکو مردہ کہتا ہے شہیدوں کی حیات ہماری بے شعوری و لاعلمی کی وجہ سے معلوم و محسوس نہیں ہوتی، اور کافروں کی موت ہماری بے بصیرتی و بے معرفتی سے دیکھی اور پہچانی نہیں جاتی۔ عام انسانوں کے بارے میں ہمارا علم اتنا بے نتیجہ بے بنیاد ہے تو اخص الخواص یعنی انبیائے کرام کی حیات ہمارے علم و ادراک کے معیار پر کیوں کر جانچی جاسکتی ہے۔ صریح حدیث میں ہے اَلْاَنْبِيَاءُ اَحْيَاءٌ فِيْ قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ (تمام انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور تمام صلوٰۃ پڑھتے ہیں۔

صلوٰۃ سے مراد اگر وہ اصطلاحی نماز ہے جس کا مظاہرہ ہم روزانہ پانچ وقت کیا کرتے ہیں تو انبیاء سے بعد وفات اپنی قبروں میں ایسی نمازوں کا بھی ثبوت ملتا ہے۔

شب معراج حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے جناب موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا

اور اگر یصلون سے مراد صلوٰۃ وسلام ہے تو حدیث زیر بحث میں یہ حقیقت بھی ثابت ہوتی ہے کہ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم اپنے سلامی کے درود وسلام کا جواب دیا کرتے ہیں۔

حیات انبیاء کے متعلق دوسری حدیث ہے "نَبِیُّ اللّٰہِ حَیٌّ یُرْزَقُ" (اللہ کے نبی زندہ ہیں اور رزق پاتے ہیں

چنانچہ حدیث زیر بحث اور اس کی ہم معنی روایتوں کی بناء پر علماء اعلام کا فیصلہ ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات آنی تھی یعنی زمانہ کے ایک مختصر ترین دفعہ میں جسم کی حیاتی حرکت کو سکون ملا اور پھر جسم اطہر متحرک ہو گیا دو حرکتوں کے درمیان جو ایک آنی سکون پیدا ہوا وہ نفی حیات وسلب زندگی کے لیے نہ تھا، بلکہ دفتر نبوت پر مہر ختمیت تھی اور بس۔ اس آنی وفات کے بعد جب حرکت حیات جسم میں دوبارہ ظاہر ہوئی تو پھر آج تک جاری ہے۔ کیونکہ صلوٰۃ وسلام سے کوئی آن خالی نہیں اور جواب سلام کے لیے جسم و روح دونوں وابستہ ہیں

اس حدیث میں جہاں درود و سلام بھیجنے والوں کی اس سعادت و خوش نصیبی کا اعلان ہے کہ ہمارے درود و سلام کا اجر اللہ رب العزت دیتا ہے اس کے تمام فرشتے درود خوانوں پر صلوٰۃ و سلام بھیجتے ہیں وہاں یہ بھی واضح ہو گیا کہ خود حبیب رب العالمین اپنے غلاموں جاں نثاروں اور اہالیان محبت کو جواب سلام سے نوازتے ہیں۔

اور جو خوش نصیب ہمیشہ حضور علیہ السلام کے جواب سلام سے سربلند ہوتا رہے گا وہ دنیا و آخرت میں یقیناً قریب سے قریب تر ہوتا جائے گا اور کل قیامت میں آپ کی شفاعت خاص سے بہرہ مند ہو گا جیسا کہ دوسری حدیثوں سے ثابت ہے۔

حدیث ۳۲ ۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ وَکَّلَ بِقَبْرِیْ مَلَکًا اَعْطَاہُ اَسْمَاءَ الْخَلَائِقِ فَلَا یُصَلِّیْ عَلَیَّ اَحَدٌ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ اِلَّا اَبْلَغَنِیْ بِاِسْمِہٖ وَاسْمِ اَبِیْہِ ھٰذَا فلان بن فلان قد صلّٰی علیک (بزار، ابن حبان، طبرانی)

ترجمہ ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ بے شک اللہ رب العزت نے ایک ایسا فرشتہ میری قبر پر متعین کر دیا ہے جس کو تمام مخلوقات کا علم نام ولدیت کیساتھ عطا ہوا ہے۔ پس کوئی بھی مجھ پر قیامت تک درود نہیں بھیجے گا مگر وہ فرشتہ پہنچائیگا مجھ تک درود خواں کا نام و ولدیت کے ساتھ کہ یہ فلاں شخص، فلاں کے بیٹے نے آپ پر صلوٰۃ بھیجی ہے (اور دوسری روایت میں ہے بعد وفات میری قبر پر متعین کرے گا)

اس روایت کی سند میں اگرچہ ایک ایسا راوی ہے جس کے حالات محدثین کو نہیں معلوم ہیں۔ ممکن ہے وہ اعلے مرتبے کا ثقہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس میں کوئی ضعف ہو

مگر مضمون کے اعتبار سے دوسری روایتوں کے ساتھ اس روایت کو اجمالی موافقت حاصل ہے۔ اور فضائل اعمال کے باب میں بالاتفاق تمام علما ضعیف روایتوں کو مستند و معتبر تسلیم کرتے ہیں

لہذا یہ روایت بھی معتبر رہے گی

ایک شبہ اور اس کا جواب

بعض لوگوں کو روایتوں کے مضامین سے ممکن ہے یہ الجھن ہو کہ آیا صلوٰۃ و سلام حضور خود سماعت فرماتے ہیں یا سیاحین و گشتی فرشتے صلوٰۃ و سلام پہنچاتے ہیں یا روضۂ انور پر تعینات فرشتہ صلوٰۃ و سلام پہونچاتا ہے۔ تو ادنیٰ تامل سے یہ الجھن دور ہوجائے گی۔ جیساکہ گزشتہ صفحات میں یہ تفصیل ہم بیان کرچکے ہیں۔ قرب و بعد اور واسطہ و بلا واسطہ دراصل ہمارے اخلاص و حضور قلب پر موقوف ہے۔ اور چونکہ اللہ تبارک و تعالےٰ کے ساتھ تمام فرشتے بطور خود صلوٰۃ و سلام بھیجتے ہیں اور صلوٰۃ و سلام بھیجنے والوں کو دس گنے سے ستر گنے تک جواب صلوٰۃ و سلام دیتے ہیں اس عمل خیر میں

دوسرے فرشتوں کے ساتھ گشتی فرشتے اور موکل فرشتے سبھی بلا استثنا شریک ہیں اور سب کے سب اپنے اپنے طور پر بارگاہ رسالت پناہ میں صلوٰۃ وسلام بھیجتے اور امت کے صلوٰۃ وسلام اپنے جوابات کے ساتھ حضور میں پیش کرتے ہیں۔ لہٰذا روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ موکل فرشتہ تمام خلائق کے نام و ولدیت سے آگاہ ہے اور ساری خلقت اس کی سماعت وبصارت کے احاطے میں ہے یعنی وہ فرشتہ تمام مخلوقات کے حق میں حاضر وناظر وسمیع وبصیر ہے کسی فرشتے کے حق میں حدیث کی بنیاد پر یہ عقیدہ شرک نہیں ہوا تو حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو حاضر وناظر اور سمیع وبصیر وعالم کہنا کیونکر شرک ہوگا فرشتہ بھی تو آخر خدا نہیں ہے۔ اور اس کا حاضر وناظر ہونا ثابت ہے۔ شرک تو جب ہوتا کہ یہ صفات اللہ رب العزت کے لیے خاص ہوتے، اور کسی مخلوق کی طرف ان کی نسبت محال وممنوع ہوتی۔ جو صفات خداوندیہ ہیں وہ نہ فرشتوں میں پائی جائیں گی اور نہ نبیوں اور رسولوں میں پائی جائیں گی۔

غور فرمائیے کہ جب آستانۂ رسالت کا میر عرض یعنی پیشکار خلقت کیلیے حاضر وناظر ہو تو صاحب بارگاہ کے علم وحضور کا کیا معیار ومرتبہ ہوگا۔ خود باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ عَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا (اللہ نے آپکو جو کچھ نامعلوم تھا بتادیا اور اللہ کا فضل آپ پر

بے اندازہ عظیم و بے پایاں بزرگ ہے) یہ اعلان نہ کسی ولی کے حق میں ہے اور نہ کسی بڑے سے بڑے فرشتے کے بارے میں۔ پھر بھی بعض لوگ حضور کے علم کو فرشتوں سے کمتر بتاتے ہیں، بلکہ یہاں تک اپنی نادانی سے کہہ جاتے ہیں کہ دین کا علم حضور کو زیادہ ہو تو ہو مگر دنیا کا علم دوسرے انسانوں کو زیادہ ہے۔ اور دلیل میں "اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ" کا جملہ پیش کرتے ہیں۔ (تم لوگ دنیاوی معاملات زیادہ سمجھتے ہو) افسوس اندازۂ کلام سے ناواقفیت لوگوں سے کیا کیا کہلواتی ہے۔

حدیث۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَدْکَی النَّاسِ بِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَکْثَرُهُمْ عَلَیَّ صَلٰوةً (ترمذی۔ ابن حبان)

ترجمہ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے۔ بیشک قیامت کے دن مجھ سے قریب تر وہ ہوگا جو بہ کثرت مجھ پر درود بھیجے۔ (ترمذی ابن حبان)

اسی لیے بقول امام رازی رحمۃ اللہ علیہ علمائے ربانی کا قول ہے کہ استغفار بہت اہم فریضہ سہی مگر اپنے حق میں بندوں کا استغفار یعنی طلب مغفرت سے متعلق کوئی شخص یقین کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کی دعا قبول ہو گئی۔ کیونکہ بارگاہ صمدیت میں قبولیت دعا کے لیے نیت، اخلاص، قلب و روح کے ساتھ توجہ الی اللہ، اظہار عجز و نیاز، اور ہر وسوسہ و خیال سے دل کا پاک ہونا ضروری ہے ہم اپنی دعاؤں کے بارے میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ قبولیت کی تمام شرطیں تمام و کمال

پوری ہو گئیں۔ لہٰذا قبولیت دعا کے لیے یقین و استحقاق کی گنجائش نہیں ہے یہ اور بات ہے کہ اللہ کریم و متفضال اپنی رحمت کاملہ سے ہماری ناقص اور ناکارہ دعاؤں کو قبول کرلے۔

مگر درود شریف کی قبولیت میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ کیوں کہ یہ ہمارا اپنا فعل نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے فعل کی محض تحسین و تائید ہے۔ خواہ بصیغۂ دعا ہو جیسے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَسَلِّمْ خواہ بصیغۂ ماضی ہو جیسے صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ بَارَكَ وَسَلَّمَ خواہ بصورت جملۂ اسمیہ ہو جیسے اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ اور یا نبی سَلَامٌ عَلَیْكَ اللہ تبارک و تعالیٰ کے اپنے کسی فعل کے متعلق رد و قبول کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ہم صلوٰۃ و سلام کے ذریعے حضور حبیب رب العالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زیادہ سے زیادہ تقرب حاصل کریں اور آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی فہرست میں اپنا نام درج کرائیں تاکہ اب جب حسب ہدایت الٰہی اِسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ (قرآن کریم) اپنے غلاموں کیلئے بارگاہ صمدیت میں مغفرت خواہ ہوں تو ہماری بھی مغفرت ہو جائے۔ کیونکہ ہماری اپنی دعاؤں کی قبولیت کا کوئی یقین نہیں ہے۔ اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کے رد کا شبہ بھی نہیں ہے۔ لہٰذا جب کثرت صلوٰۃ و سلام سے آپ کی قربت و ولایت حاصل ہو گئی، تو یہی وہ صراط مستقیم ہے جو نجات و فلاح کی منزل تک یقیناً پہنچاتی ہے

یہاں تک کہ پل صراط بھی سد راہ نہیں ہو گی

(جیسا کہ حدیثوں میں وارد ہے کہ مومن حضور پر کثرت سے صلوٰۃ وسلام بھیجنے سے نہایت آسانی اور سرعت کے ساتھ قیامت میں پل صراط کو عبور کرے گا اور آپ صلے اللہ علیہ وسلم پل صراط کے سرے پر کھڑے ہوئے ہم لوگوں کو لغزش پانے سے بچانے کے لیے "رَبِّ سَلِّمْ! رَبِّ سَلِّمْ!" کی آواز لگا رہے ہوں گے۔ اس طرح ہمارا آج کا "رَبِّ سَلِّمْ وَصَلِّ عَلَيْهِ" کہنا کل روز قیامت میں ہمارے لیے زبان محبوب پر "رَبِّ سَلِّمْ" بن جائے گا)

حدیث[۳۲]۔ قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ صَلٰوةً لَمْ تَزَلِ الْمَلٰئِكَةُ تُصَلِّيْ عَلَيْهِ مَا صَلّٰى عَلَيَّ۔ (رواہ احمد والترمذی)

ترجمہ۔ حضور نے فرمایا جو کوئی مجھ پر صلوٰۃ بھیجے فرشتے اس پر صلوٰۃ بھیجتے رہتے ہیں جب تک مجھ پر صلوٰۃ بھیجی جاتی رہے۔ (احمد و ترمذی)

حدیث[۳۳]۔ قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ فِيْ يَوْمٍ اَلْفَ مَرَّةٍ لَمْ يَمُتْ حَتّٰى يَرٰى مَقْعَدَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ (ابوحفص)

ترجمہ۔ حضور نے فرمایا جو کوئی مجھ پر ایک ہزار درود روزانہ بھیجے مرنے سے پہلے اپنی نشست گاہ جنت میں دیکھ لے گا۔ (ابوحفص)

لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کوئی مختصر سا درود اپنی زبان پر جاری رکھیں۔ تاکہ کم از کم ایک ہزار بار یومیہ کا وظیفہ ہو جایا کرے۔ چونکہ نماز سے خارج میں

صلوٰۃ وسلام کی کوئی متعین صورت نہیں ہے لہٰذا ہر صلوٰۃ وسلام اس حدیث میں داخل ہو جائے گا۔

درود ابراہیمی نماز کا متعین درود ہے۔ نماز سے باہر صلوٰۃ وسلام کیلئے درود ابراہیمی کی قید نہیں ہے۔ ہم ہر درود پڑھ سکتے ہیں مثلاً صَلَّی اللہُ عَلَیْکَ یَا مُحَمَّدُ وَسَلَّمَ اللہُ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبِیْ، اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ یا صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وغیرہ وغیرہ

جو لوگ خارج نماز بھی درود ابراہیمی ہی پر زور دیتے ہیں اور دوسرے درود دعا مثلاً

یَا نَبِیْ سَلَامٌ عَلَیْکَ　　یَا رَسُوْلْ سَلَامٌ عَلَیْکَ

یَا حَبِیْبْ سَلَامٌ عَلَیْکَ　　صَلَوَاتُ اللہِ عَلَیْکَ

کو نا جائز سمجھتے ہیں سخت غلطی پر ہیں کیا ان کے نزدیک صلی اللہ علیہ وسلم درود وسلام نہیں ہے۔ اگر صلے اللہ علیہ وسلم درود وسلام نہیں ہے تو پھر تمام کتابوں میں اور سلف سے خلف تک تمام علماء کی زبانوں پر حضور کے نام پاک کے ذکر کے وقت یہ کلمہ کیوں رائج ہے؟ اور کیا نام پاک کیساتھ صلے اللہ علیہ وسلم کہنے کے بعد بھی ادائے صلوٰۃ وسلام کی ذمہ داری باقی رہتی ہے اور نام پاک سُنکر صلوٰۃ وسلام کے ترک کا جرم اور اس پر مواخذہ بروز قیامت ہوگا۔ اور تمام علماء محدثین، صوفیاء مفسرین بلکہ ساری امت محمدیہ دعلے صاحبہا الثناء والتحیہ) حتیٰ کہ جبرئیل

اَبْعَدَ اللّٰہُ مَنْ ذُکِرْتُ عِنْدَہٗ فَلَمْ یُصَلِّ

ترجمہ (اللہ اس کو اپنی رحمت سے دور رکھے جسکے سامنے آپکا نام لیا جائے اور وہ درود نہ بھیجے) کی وعید میں ماخوذ ہوکر جہنمی ہوں گے۔ (معاذاللہ)

اگر صلے اللہ علیہ وسلم، درود وسلام کا جملہ ہے تو یہ یقینا درود ابراہیمی ہی ہے جس کی تعلیم نمازوں کے لیے ہوئی ہے۔ لہذا نماز سے باہر ہر صلوٰۃ وسلام کے ذریعے ایک مومن درود خوانی کے فضائل وانعامات حاصل کر سکتا ہے۔

حدیث ۳۹۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا اَبَا کَاھِلِ! مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ کُلَّ یَوْمٍ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَکُلَّ لَیْلَۃٍ ثَلٰثَ مَرَّۃٍ حُبًّا اَوْ شَوْقًا اِلَیَّ کَانَ حَقًّا عَلَی اللّٰہِ اَنْ یَّغْفِرَ لَہٗ ذُنُوْبَہٗ تِلْکَ اللَّیْلَۃِ وَذَالِکَ الْیَوْمِ (ابوعام طبرانی)

ترجمہ۔ حضور کا اعلان ہے اے ابو کاہل! جو کوئی مجھ پر ہر روز تین بار اور ہر رات تین بار میری محبت یا میرے اشتیاق میں مجھ پر درود بھیجے، رحمت الہٰی کے ذمے ہے کہ اس دن اور اس رات کے اسکے گناہ بخش دے (ابوعام، طبرانی)

ممکن ہے کوئی یہ کہے کہ جب تین بار درود پڑھنے سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں تو پھر سو، ہزار اور لاکھ کی کیا ضرورت ہے؟ تو ایسا خیال پست ہمتی و کم حوصلگی، بے خبری و ناواقفی ہے۔ نجات تو اخروی نعمتوں میں ابتدائی چیز اور پہلا زینہ ہے ایک مومن کا مقصد اور ایمان کا مدعا اللہ کی ذات کی معرفت اور صفات میں عروج ہونا چاہیے اللہ تعالیٰ کی ہر صفت اپنے شئون و تجلیات میں نامحدود و غیر منتہی ہے۔ بعض جلوے

اس دار دُنیا کے مناسب ہیں، جن کا ظہور و معرفت یہاں ہوتا ہے مگر اللہ تبارک و تعالےٰ کے حسن و کمال کی رنگینیاں دنیاوی تجلیات میں منحصر نہیں ہیں۔ اور عرفان الٰہی میں مومن کا عروج اسی دنیا میں ختم نہیں ہو جاتا۔ بلکہ ہماری ترقیاں لامتناہی ہیں۔ جو آخرت میں تا ابد جاری رہیں گی۔

مغفرت کے بعد ذاتی و صفاتی عروج و ارتقا کی کوشش کرتے رہنا چاہیے۔ لہذا درود شریف کی کثرت سے جو درجات کے اضافے اور حسنات کے ازدیاد کا سبب ہے کبھی غافل نہیں ہونا چاہیے۔

صلوٰۃ کی حقیقت

صلوٰۃ (درود) اللہ کی طرف سے ایک اصطلاحی انعام ہے۔ اس کی صحیح حقیقت کا علم ذہن عوام سے بالا تر ہے۔

اہل لغت صلوٰۃ کے جو مختلف معانی بیان کرتے ہیں اور صلوٰۃ بھیجنے والوں کے اعتبار سے اس کا معنی متعین کرتے ہیں وہ ان کے اپنے قیاسات ہیں قرآن و حدیث کے نصوص اس کے متعلق خاموش ہیں۔ اہل لغت کی قیاس آرائیوں کی اصل اس سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں رکھتی کہ ابتدائی افہام و تفہیم کی ایک راہ ہے جیسے بچوں کو حرف ہجا اور اعراب و سکون کی تعلیم دی جاتی ہے۔

قرآن مجید نے یہ کہیں نہیں کہا کہ صلوٰۃ کی نسبت جب اللہ کی طرف ہوتی ہے

تو اس سے مراد رحمت، اور فرشتوں کی طرف ہو تو دعائے رحمت اور انسانوں کی طرف ہو تو کچھ اور۔ یہ صلوٰۃ اللہ کی ایک اصطلاح ہے اور اس کی حقیقت وہی جانتا ہے۔ قرآن مجید نے صلوٰۃ کی حقیقت تو نہیں بتائی مگر اس حقیقت نیرہ کی طرف اشارہ ضرور کر دیا ہے۔

هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ لِيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ (قرآن)

اللہ ہی کی ذات ہے جو تم پر صلوٰۃ بھیجتی ہے اور اسکے فرشتے، تاکہ نکالے تم کو تہ بہ تہ تاریکیوں سے نور کی طرف

ان کلمات قرآنیہ میں غور و تدبر سے صلوٰۃ کا مفہوم ذہن میں کسقدر ضرور آجاتا ہے گویا صلوٰۃ ایک زینہ ہے جس کے ذریعے سے ایک مؤمن تاریکیوں سے نکل کر بلندی کیطرف چڑھتا ہے۔

"ظلمات" ظلمت کی جمع ہے اس کے معنی ہیں "تاریکی"۔ الظلمات۔ تمام انواع ظلمت کو شامل ہے۔ اس کے مقابلے میں "نور" ہے۔ جو کلمۂ واحد ہے اس کے معنی ہیں "روشنی" "النور" سے ایک خاص بسیط نور مراد ہے جس کا تجزیہ نہیں ہوتا۔ بخلاف کلمۂ الظلمات اپنی کثافت ظلمت اور ضخامت کے اعتبار سے نوع بنوع کی تجزی کو قبول کرتا ہے۔

صلوٰۃ ایک مخفی زینہ ہے جو مومنین کو ظلمت کے ایک ایک درجہ سے نکال کر نور کی طرف لے جاتا ہے۔ اس طرح ہر قدم رفعت و عروج کی طرف بلند ہوتا اور مرکز نور سے قریب تر کرتا جاتا ہے۔ اور مرکز نور کیا ہے؟ اَللّٰهُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

(اللہ آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے) ملاءاعلےٰ والے بھی اسی مرکز نور کی طرف عروج کرتے ہیں اور اہل زمین کا مقصود سفر بھی وہی نور ہے یہ نور تجزی سے پاک ہے اس کی تجلیات کون و مکان کو محیط ہیں۔

ان کلمات میں کثیف تر ظلمت کفر و شرک ہے اقرار ایمان کے بعد انسان ظلمت کفر سے نکل کر سرحد نور میں داخل ہو جاتا ہے کفر و ایمان کا فاصلہ اللہ رب العزت کی فرستادہ صلوٰۃ سے طے ہوتا ہے، داخلۂ ایمان کے بعد ارتکاب کبائر سے تطہیر کی منزل ہے۔ چنانچہ اس مقام میں صلوٰۃ کی مدد و دستگیری سے انسان فسق و فجور کی ظلمت سے نکل کر طاعت و انقیاد کے حدود نورانی میں قدم رکھتا ہے۔ بعد ارتکاب صغائر سے تزکیہ کی منزل ہے۔ صلوات الٰہیہ انسانوں کو صغائر کی ظلمت سے نکال کر عصمت و ولایت کے نورانی مقام کی طرف بلند کرتی ہیں بعد ازاں سہو نسیان اور غفلت کی منزل سے نجات کی منزل ہے اور صلوات الٰہیہ جب اس منزل سے گزار دیتی ہیں تو آئندہ غفلت و سہو کا امکان ختم ہو جاتا ہے۔

کفر و شرک، فسق و فجور، صغائر و کبائر، ترک اولیٰ، سہو، نسیان غفلت ظلمات و حجابات ہیں۔ اور یہ تمام حجابات انسان کے اپنے وجود کو وابستہ ہیں ایسی بات نہیں ہے کہ انسانی وجود کو خارج سے یہ حجابات لیے ہوئے ہوں۔

جب انسان اپنے وجودی حجابات کو صلوات الٰہیہ کی دست گیری سے طے کر لیتا ہے تو اس کے بعد بے شمار تجلیات و انوار کے حجابات ہیں جنکی حیثیت

شعاعوں اور کرنوں کی ہے جو مرکز نور سے پیدا ہو کر طالب دیدار کی آنکھوں کا حجاب بن جاتی ہیں اور صلوات الٰہیہ آناً فاناً رفعت و برتری کی طرف لے جاتی ہیں۔ ہر سابقہ مقام نئی منزل کے مقابلے میں ظلمت نظر آتا ہے اور منزلِ نو مقام نور دکھائی جاتی ہے۔ اور عروج و ترقی کا یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا ہے اور جاری رہے گا۔ صلوات الٰہیہ عروج و رفعت کا زینہ ہیں۔ اور استغفار دونوں مقامات کے درمیان تفریق کا ذریعہ اظہار ہے۔ جب تک دونوں مقامات کا فرق ظاہر نہیں ہو جاتا مغفرت و طلب مغفرت کا مفہوم پوشیدہ رہتا ہے۔ مغفرت منزل جدید پر پہنچ کر کرم خداوندی کا احساس اور اپنی انابت تازہ کا اظہار ہے جب کہ صلوات کی حیثیت زینہ اور سیڑھی کی ہے۔

اللہ رب العزت اپنے بام نور سے صلوات کا زینہ بندے کے لیے آویزاں کرتا ہے اور ملائکہ اس زینے کو مرکز محبوبیت تک پہنچاتے اور استوار کرتے ہیں۔ جو لوگ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام بھیجتے اور ان کا تقرب حاصل کرتے ہیں صلوات الٰہیہ حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلے سے بندگان مقرب کی راہ ترقی تک وسیع ہو جاتی ہے۔

اللہ رب العزت کی طرف سے صلوٰۃ وسلام کا نزول مرکز واحد یعنی ذات نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ہوتا ہے اور اس عالم ظہور میں مرکز رسالت سے صلوات و تسلیمات ہر درود خواں تک پھیلتی ہیں حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام

حقیقت باطنہ کے لحاظ سے ذات صمدیت سے اتصال رکھتے ہیں۔ اور اپنی حقیقت ظاہرہ کے اعتبار سے تمام مومنین کی حقیقتوں کے جامع ہیں۔ چنانچہ بانی دیوبند مولوی محمد قاسم ناتوی بھی ذات محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس حیثیت سے حقیقت جامعہ تسلیم کرتے ہیں اور ہر مومن کو اس کی ایمانی جہت میں حضور کی ذات میں گم سمجھتے ہیں۔ حضور کی ذات مومنین کی اصل ہے اور تمام مومنین آپ ہی کے ایمان کی فرع

صلوٰۃ الٰہی آپ پر نازل ہوتی ہے۔ اور مومنین اپنی صلوات و تسلیمات کے ذریعے سے ذات محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں اپنی جہت ظہور کو قوت دے رہے ہیں اور تقرب و اتصال حاصل کرتے ہیں۔

یہاں تک کہ وہ تمام حجابات، جن کا منشا ان کا اپنا وجود ہے دور ہو جاتے ہیں اور باطن میں نورانی حجابات یکے بعد دیگرے اُٹھتے جاتے ہیں اہل ایمان اپنی ذات سے، ذاتِ محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں اپنے وجود سے وجود محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں اپنی صفات سے صفات محمدی علیہ السلام میں تحلیل ہو کر فنا ہو جاتے ہیں۔ اور دوامًا مقام محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں قیام ہوتا ہے۔ اور یہی وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر سالک اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے درمیان سے سارے حجابات نور میں تحلیل ہو جاتے ہیں "یَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَنْ يَشَاءُ" کی منزل آجاتی ہے۔

حدیث۔ قَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اَیُّمَا رَجُلٍ مُسْلِمٍ لَمْ یَکُنْ عِنْدَہٗ صَدَقَۃٌ فَلْیَقُلْ فِیْ دُعَائِہٖ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ وَصَلِّ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ فَاِنَّھَا زَکٰوۃٌ (ابن حبان)

ترجمہ۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس مسلمان کے پاس صدقہ دینے کے لیے کچھ نہ ہو تو اسے چاہیے اپنی دعا میں کہے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ وَصَلِّ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ۔ تو اس درود میں ناداروں کو فرض زکوٰۃ کا ثواب ملتا ہے (ابن حبان)

۴۱
حدیث۔ قَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ اَکْثِرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ عَلَیَّ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ فَاِنَّہٗ مَشْھُوْدٌ تَشْھَدُہُ الْمَلٰئِکَۃُ وَاِنَّ اَحَدًا لَنْ یُّصَلِّیَ عَلَیَّ اِلَّا عُرِضَتْ عَلَیَّ صَلٰوتُہٗ حَتّٰی یَفْرُغَ مِنْھَا۔ قَالَ قُلْتُ وَبَعْدَ الْمَوْتِ؟ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَآءِ (علیھم الصلوٰۃ والسلام)

ترجمہ۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود وسلام بھیجو اس لیے کہ جمعہ حاضری کا دن ہے۔ فرشتوں کی جماعت حاضر ہوتی ہے اور کوئی شخص مجھ پر درود نہیں بھیجتا ہے مگر وہ درود مجھ پر پیش ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ فارغ ہو درود خوانی سے۔ صحابی کا قول ہے میں نے عرض کیا اور کیا وفات کے بعد بھی؟ (آپ پر درود پیش ہوں گے؟)

ارشاد گرامی عالی ہوا بیشک اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا کہ انبیاے کرام علیہم الصلوٰۃ والسّلام کے اجسام طاہرہ کو گزند پہنچائے۔ (ابن ماجہ)

اس حدیث اور سابق میں مذکورہ متعدد احادیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہو کہ ہر عمل خیر کو ہمیشہ اپنا معمول بنانا اور ان کی مداومت کرنی چاہیے اور کسی عمل خیر و سعادت کے لیے خصوصی طور پر سال، ماہ اور ہفتے کے ایام و تواریخ کی تعیین جائز اور عین شریعت کے مطابق ہے۔ چنانچہ ایک دوسری روایت میں ہے۔

حدیث۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِيْ مَسْجِدَ قُبَاءَ كُلَّ سَبْتٍ مَاشِيًا أَوْ رَاكِبًا وَيُصَلِّيْ فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ (صحاح ستہ)

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہا حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم ہر سنیچر کو مسجد قبا تشریف لاتے خواہ چل کر یا سوار ہو کر اور دو رکعت (نفل) نماز ادا کرتے۔

(یہ روایت صحاح ستہ یعنی بخاری مسلم وغیرہ حدیث کی چھ بڑی کتابوں میں ہے)

علاوہ ازیں تمام اسلامی عبادات جو خالص خیر و سعادت ہیں اوقات، ایام اور تواریخ کے ساتھ وابستہ ہیں۔ کوئی نادان ہی ہوگا جو کسی عمل خیر کے لیے اوقات و ایام کی تعیین کو ناجائز و خلاف شرع کہے۔

تعیّنِ تاریخ کے اس عمومی حکم کے علاوہ حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت و بعثت کی یاد میں اللہ رب العزت کے ان خاص افضال و عطایا کی شکر گذاری

کے لیے ہفتے کے ہر پیر کو نفلی روزہ شریعت سے ثابت ہے۔

حدیث۔ عَنْ اَبِی قَتَادَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تعالٰی عَنْہُ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ صَوْمِ الْاِثْنَیْنِ فَقَالَ فِیْہِ وُلِدْتُ وَفِیْہِ اُنْزِلَ عَلَیَّ (مسلم)

ترجمہ۔ حضرت ابو قتادہؓ سے مروی ہے کہا حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا پیر کے دن کے روزے کے بارے میں تو آپ نے فرمایا اس دن میری ولادت ہوئی اور اس دن مجھ پر وحی نازل ہوئی (مسلم شریف)

لہٰذا ہر پیر کا دن حضور کی ولادت والے پیر کے دن سے نسبت رکھنے کے باعث متبرک ٹھہرا اور نفلی روزے کے قابل قرار دیا گیا۔ یہی منزلت ہر ربیع الاول اور اس کی خاص تاریخ کی ہوتی ہے، یوم معراج بھی ہر سال اس قاعدہ کے تحت درست ہے۔

حدیث سے دوسری بات یہ بھی معلوم ہوئی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنے اجسام مطہرہ کے ساتھ زندہ ہیں اور حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم جسم و روح کے اتصال کے ساتھ ہمارے درود و سلام قبول فرماتے ہیں ورنہ صحابی کے سوال "وَبَعْدَ الْمَوْتِ؟" ("وفات کے بعد بھی؟") کے جواب میں بقائے جسم کا ذکر فضول و عبث ہے۔ آپ فرما دیتے کہ ارواح محفوظ ہیں، اور میری روح کے سامنے عالم برزخ میں درود و سلام پیش کیا جائے گا۔

تیسری بات اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوئی کہ جمعہ یوم مشہود ہے اور فرشتے جماعت در جماعت شریک و حاضر ہوتے ہیں۔ اس دن درود و سلام میں فرشتے جماعت بنا کر شریک ہوتے ہیں لہذا حلقہ و جماعت بنا کر کسی کارِ خیر کو انجام دینا شریعت کی نگاہ میں پسندیدہ ہے۔ بالخصوص درود و سلام کا حلقہ قائم کرنا اور ذکرِ رسول اور صلوٰۃ و سلام کی محفلیں منعقد کرنا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو محبوب ہے اور فرشتے اس میں حاضر رہتے ہیں کیوں نہ ہو۔ اجتماعی عمل میں غفلت کیشوں کو بھی عمل خیر کی سعادت و توفیق میسر آجاتی ہے۔ اللہ جزائے خیر دے ان لوگوں کو جو درود و سلام کی محفلیں منعقد کرتے ہیں۔ جمعرات و جمعے کو حلقے قائم کرتے ہیں۔ اور نمازِ جمعے کے بعد بارگاہِ رحمت پناہ میں صلوٰۃ و سلام عرض کرتے ہیں جس میں شریک ہو کر بہتیرے غافلین بھی سعادت یاب ہو جاتے ہیں

چوتھی بات اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوئی کہ درود ازخود حضور تک پہنچتا ہے۔ ہر حال میں۔ وساطت و معرفت ضروری نہیں ہے خصوصًا جمعہ کے دن کا سلام و درود تو بپیش نظر روایت کی بنا پر حضور تک براہِ راست پہنچتا ہے۔ کیونکہ "عَرَضَتْ عَلَیَّ" فعل معروف ہے اور "صَلَاۃٌ" "عَرَضَتْ" کا فاعل ہے۔ جو لوگ عرضت کو فعل مجہول قرار دیتے ہیں ان کو بلا وجہ تاویل کرنی پڑتی ہے اور یہ ہوائے نفس کی وجہ سے ہے۔ ورنہ کلام میں اصل یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے کلام کو

تاویل سے بچایا جائے، اسی قدر بہتر و صحیح ہے۔ خصوصاً جب تاویل سے کوئی خاص فائدہ بھی حاصل نہیں ہو رہا ہو۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ مضمون حدیث ظاہر کر رہا ہے کہ ایک طرف درود حضور تک پہنچتا رہتا ہے یہاں تک کہ درود خواں اپنے اس عملِ خیر سے فارغ ہوا اور جو فرشتے شریک محفل ہوئے وہ خاتمۂ درود خوانی تک حاضرِ محفل رہتے ہیں۔ اگر وصول صلوٰۃ کے لیے فرشتوں کی وساطت ضرور رہوتی تو درود کا یہ گلدستہ خاتمۂ درود کے بعد فرشتے لے جاتے ہیں اور آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں حالانکہ کلمات حدیث بتا رہے ہیں کہ اثنائے درود خوانی میں ہی آپ تک درود پہنچتا رہتا ہے۔ جن دلوں میں کجی ہے وہ کہہ سکتے ہیں کہ سب فرشتے محفل سے اُٹھ کر نہیں جاتے بلکہ ہرکاروں کا تانتا بندھا رہتا ہے، اور یکے بعد دیگرے فرشتے درود پہنچاتے رہتے ہیں۔ تو یہ ایسی تاویلات ہیں جو اس حدیثِ پاک کے الفاظ سے کوئی علاقہ نہیں رکھتی ہیں۔ نیز اس روایت میں کسی ایلچی، قاصد، ہرکارہ اور واسطے کا ذکر نہیں ہے۔ لوگ اپنے جی سے کوئی گرہ لگا دیں، اور حدیث کی تصحیح و ترمیم کریں تو اس کے ذمّے دار وہ خود ہوں گے۔

سوم "عرضت" کا فاعل یہاں ملائکہ کو قرار دینا نامناسب ہے۔ کیونکہ ملئکہ کے لیے سابق میں ایک فعل مضارع "تَتَشَهَّدُ" آچکا ہے۔ اگر "عرضت" کے فاعل بھی ملائکہ ہوتے تو اندازِ بیان کا تقاضا اور کلام کی صحت و خوبی چاہتی ہے

کہ "عَرَضَتْ" فعل ماضی کے بدلے "تَعْرَضُ" فعل مضارع لایا جائے۔ اور یہاں "عَرَضَتْ" ہے۔ لہذا اس فعل کا فاعل ملائکہ نہیں ہے۔ بلکہ صلوٰۃ ہے یعنی صلوٰۃ آپ صلے اللہ علیہ وسلم پر از خود پیش ہوتی ہے۔

پنجم کلمہ "عَرَضَ" لازم اور متعدی دونوں طرح سے استعمال ہوتا ہے فعل لازم ماننے کی صورت میں "صلوٰۃ" اس کا فاعل ہوگا اور "عَرَضَ الفَرَسُ" (گھوڑا تیزی سے دوڑا) کلام عرب کے محاورے کے مطابق مقصود کلام یہ ہے کہ درود سرعت و عجلت سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جاتا ہے۔ کسی توقف و واسطے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

یہ مفہوم کلام کی شناخت اور اس کی قوت کے عین مطابق ہے۔

حدیث[۴۴]. قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اَكْثِرُوا عَلَيَّ مِنَ الصَّلٰوةِ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاِنَّ صَلٰوةَ اُمَّتِيْ تُعْرَضُ عَلَيَّ فِيْ كُلِّ يَوْمِ جُمُعَةٍ فَمَنْ كَانَ اَكْثَرُهُمْ عَلَيَّ صَلٰوةً كَانَ اَقْرَبُهُمْ مِنِّيْ مَنْزِلَةً (بیہقی)

ترجمہ۔ جمعہ کے دن بکثرت مجھ پر درود بھیجو اس لیے کہ میری امت کے درود ہر جمعہ کو مجھ پر پیش ہوتے ہیں، تو جو کوئی مجھ پر زیادہ درود بھیجنے والا ہے، میرے نزدیک اس کی منزلت اوروں سے قریب تر ہے۔ (رواہ البیہقی)

جو لوگ اپنی عقل کے باٹ سے خاکی بشریت کی ترازو میں آں حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حقیقت کو تولتے ہیں ذرا اس حدیث میں غور فرمائیں

کہ ایک دن میں کروڑوں مسلمانوں کا درود و سلام، بلکہ تمام نیک و بد اعمال پیش ہوتے ہیں اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم ان پر تفصیلی اطلاع ہوتے ہیں آخر یہ کس طرح ممکن ہے؟

مگر یہ واقعہ ہے۔ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں۔ ورنہ آنحضرت علیہ السلام کی تکذیب ہو گی۔ اور حدیثوں سے انکار کرنا پڑے گا۔

لہذا نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو اپنے مقابل لاکر اپنی بشریت سے ان کو ملانا سخت نادانی اور بے خبری ہے۔

حدیث[۴۵]۔ قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مِنْ اَفْضَلِ اَيَّامِكُمْ يَوْمُ الْجُمُعَةِ فِيْهِ خُلِقَ اٰدَمُ وَفِيْهِ قُبِضَ وَفِيْهِ الصَّعْقَةُ فَاَكْثِرُوْا عَلَيَّ مِنَ الصَّلٰوةِ فِيْهِ فَاِنَّ صَلٰوتَكُمْ مَعْرُوْضَةٌ عَلَيَّ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! وَكَيْفَ تُعْرَضُ صَلٰوتُنَا عَلَيْكَ وَقَدْ اَرِمْتَ يعنى بليت؟ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَآءِ (رواہ ابوداؤد ابن ماجہ ابن حبان حاکم احمد)

ترجمہ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ تمہارے تمام دنوں میں سب سے زیادہ فضیلت والا دن جمعہ ہے۔ اس دن آدمؑ پیدا ہوئے اور اسی دن فوت ہوئے اور اسی دن قیامت ہے، تو مجھ پر اس دن بکثرت درود بھیجو! کیونکہ تمہارا درود مجھ کو پہنچتا ہے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اور کس طرح ہمارا درود آپ کے پاس پہونچے گا

حالانکہ آپ زمین میں مل چکے ہوں گے تو آپ نے فرمایا کہ بیشک اللہ نے حرام کردیا ہے زمین پر انبیاء کے اجساد کو گزند پہنچانے سے (ابوداؤد ابن ماجہ ابن حبان حاکم احمد)

اس حدیث سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں

اول آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خلقت اور وفات کا دن متبرک اور متفضل دن ہے نیز قرآن مجید میں سیدنا عیسےٰ و یحییٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام کے حق میں وارد ہوا ہے کہ ان حضرات کی پیدائش اور وفات کے دن سلامتی و برکت کے دن ہیں۔

وَسَلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا

(اور سلامتی ہے انپر جسدن وہ پیدا ہوئے اور جسدن وفات ہوئی اور جسدن زندہ اٹھینگے)

اسی طرح وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدتُّ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا

(مجھ پر سلامتی ہے جسدن میں پیدا ہوا اور جسدن مرونگا اور جسدن میں زندہ اٹھایا جاؤں گا)

لہذا حدیث شریف اور قرآن مجید کی دونوں آیتوں سے یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے کہ پیغمبروں کی ولادت اور وفات کے دن خاص فضیلت اور سلام و برکت کے دن ہیں

نیز مذکورہ بالا حدیث و قرآن کی روشنی میں اس مسئلہ کی بھی تحقیق آسان ہے کہ اولیائے کرام و علمائے اعلام کے ایام ولادت و وفات بھی فضیلت و برکت اور اور سلامتی کے دن ہیں۔ کیونکہ امت مرحومہ کے اولیاء و علماء انبیاء بنی اسرائیل کے مماثل ہیں، اور ان کے خلفاء و ورثاء اور جانشین ہیں۔ ان حضرات کو بھی اللہ تبارک و تعالیٰ عز اسمہٗ و جل جلالہٗ کی قربت و معیت حاصل ہے

دوئم، فضیلت کے دنوں کو فراموش نہیں کرنا چاہیے، بلکہ اُن کو اُخروی سعادت کا ذریعہ بنانا چاہیے۔

سوئم، جن دنوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا کوئی فضل وکرم ظاہر ہوا اس نسبت سے آئندہ بھی وہ ایام متبرک ومبارک رہتے ہیں۔ مثلاً ہر جمعہ کو آدم علیہ السلام کی ولادت ووفات نہیں ہوتی اور ہر عاشورا کو موسیٰ علیہ السلام فرعون پر غالب نہیں ہوتے ہر عشرۂ ذی الحجہ کو ابراہیم علیہ السلام اپنے فرزند کو قربان نہیں کرتے۔ اور ہر ماہِ رمضان میں قرآن نہیں نازل ہوتا، مگر یہ تمام تاریخیں اور دن اپنی قدیمی نسبت سے مکرم ومحترم، افضل ومتبرک ہیں، اور ہمیشہ رہیں گے

چہارم ایامِ فضل وسرور کو کامیاب بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ ان دنوں میں حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم پر بکثرت درود وسلام بھیجیں۔

یہی وجہ ہے کہ سادات ومشائخ کے خاندانوں اور قدیم المذاہب مسلمانوں میں ہمیشہ سے رائج ہے کہ اپنے اعزا واحباب کی وفات کے موقعوں پر محفل میلاد منعقد کرتے اور بارگاہ رحمت پناہ میں صلوٰۃ وسلام عرض کرتے ہیں بشادی وغمی کے موقعوں پر بھی میلاد وفاتحہ کی صورت میں صلوٰۃ وسلام کی پابندی کرتے ہیں۔

پنجم غور طلب بات یہ ہے کہ صحابۂ کرام نے یہ سوال نہیں کیا کہ جب آپ ہمارے درمیان موجود ہیں، اور ہم لوگ مختلف مشاغل کے سلسلے میں مثلاً تبلیغ، جہاد شب باشی، کسب معاش وغیرہ کی وجہ سے آپ سے ظاہری طور پر جدا ہو جاتے ہیں

اور کبھی سفروں میں شبانہ یوم آپ کے قدموں سے لگے رہتے ہیں، تو آخر کس وقت آپ کے سامنے ہمارے اعمال نامے پیش ہوتے ہیں، ہماری صلوات عرض ہوتی ہیں جن پر تفصیل دار آپ مطلع ہوتے ہیں۔ فرشتے جب وحی لاتے ہیں تو نزولِ وحی کی کیفیت آپ پر ظاہر ہوتی ہے مگر درود دروں اور اعمالناموں کی پیشی کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ نہ فرشتوں کو ہم دیکھتے ہیں، نہ اعمال نامے دکھائی دیتے ہیں۔ اور نہ آپ کی ظاہری کیفیات سے فرشتوں کی آمد کا اندازہ ہوتا ہے حالانکہ یہ سوالات کچھ کم اہم نہیں تھے مگر صحابۂ کرام نے حیاتِ حسی میں اپنی صلوٰۃ و اعمال کی پیشی کے بارے میں کسی تردد کا اظہار نہیں کیا۔

اگر کچھ کھٹک محسوس ہوئی تو وہ بھی بعد وفات صلوات و تسلیمات کی پیشی کے متعلق ہوئی اور حضور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے جواب میں صرف انبیا کے اجسام مطہرہ کی بقا و محفوظیت کا اعلان فرما دینا کافی سمجھا کہ

اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَآءِ

بیشک اللہ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ نبیوں کے جسم کو گزند پہنچائے

اور یہ سن کر تمام صحابۂ کرام مطمئن ہو گئے۔

بصیرت ایمانی سے اگر اس سوال و جواب میں غور و خوض کیا جائے تو مندرجہ ذیل ہدایات ملتی ہیں۔

چونکہ صحابۂ کرام حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آپ کی حیات حسی میں

اپنے حالات پر مطلع و محافظ سمجھتے تھے اس لیے ان کے دل میں ما نہ قیام ارضی کے متعلق کوئی شبہ نہیں پیدا ہوا، اور نہ انہوں نے اس کے بارے میں کوئی سوال کیا بخاری شریف کی ایک اور روایت بھی حضور کی اطلاع و نگرانی کی شہادت دیتی ہے

حدیث - اِنِّیْ فَرَطٌ لَّکُمْ وَاِنِّیْ شَھِیْدٌ عَلَیْکُمْ وَاِنِّیْ لَاَنْظُرُ اِلٰی حَوْضِیْ اَلْاٰنَ وَاِنِّیْ اُوْتِیْتُ مَفَاتِیْحَ الْاَرْضِ (بخاری شریف کتاب الجنائز وکتاب المغازی)

ترجمہ (بر سر منبر خطبہ میں آپکا ارشاد) بیشک میں تم سے آگے جانیوالا ہوں (اشارہ وفات کی طرف ہے) اور بیشک میں تمہارا نگراں ہوں اور گواہ ہوں اور بیشک میں دیکھ رہا ہوں اپنے حوض کوثر کو ابھی اور بیشک مجھے زمین کی کنجیاں دے دی گئیں (بخاری شریف، کتاب الجنائز وکتاب المغازی)

حضور کا یہ فرمانِ والا شان مجمع عام میں ممبر شریف پر خطبہ کی صورت میں ہے اس کے تمام کلمات رسالت کو مرتب و مربوط کیجیے یہی ایک مفہوم پیدا ہوتا ہے کہ میں تمہارے درمیان سے حسی طور پر رخصت ہونیکے بعد تم سے بے خبر و بے تعلق نہیں ہو سکتا ہوں۔ بلکہ جس طرح اپنی موجودہ جگہ سے عالم بالا میں حوض کوثر کو دیکھ رہا ہوں اسی طرح عالم بالا میں پہنچ کر عالم دنیا میں تم پر نگاہ رکھوں گا، اور تمہارا نگراں رہوں گا۔ صرف یہی نہیں بلکہ تمام زمین کے سارے معاملات سے پورا تعلق رکھوں گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ساری زمین کی کنجیاں مجھے دے دی ہیں۔

قابل غور بات یہ ہے کہ شہید کے معنی مشاہدہ کرنیوالا نگراں اور ناظر ہے لازمی معنی گواہ و شاہد۔ کیونکہ گواہی و شہادت اسی کی معتبر و قابل اعتماد ہوتی ہے جو واقعات کا نگراں اور ناظر ہو۔ عرف عام میں اس کو چشم دید گواہ کہتے ہیں

یہاں بعض حضرات شہید کا حقیقی مفہوم یعنی نگراں و ناظر نہ مراد لیں، اور لازمی معنی صرف گواہ، وہ بھی جس نے واقعات کو دیکھا نہ ہو، مراد لیں، تو یہ ان کی غلطی ہو گی۔ گواہی تو دراصل ناظر و نگراں ہی کی معتبر ہوتی ہے،

علاوہ ازیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حق میں شہید بمعنی نگراں و ناظر مراد لینے پر ہم اس لیے مجبور ہیں، کہ پیش نظر حدیث میں کلمات کی ترکیب و ترتیب سیاق و سباق ایسا حکم دے رہے ہیں۔

"شَهِيدٌ عَلَيْكُمْ" (تمہارا ناظر و نگراں) کہنے کے بعد ممکن تھا کسی کے دل میں کوئی شبہ پیدا ہوتا جس طرح آج کچھ لوگ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو شہید بمعنی نگراں کہنے میں تردد و شک ظاہر کرتے ہیں

تو آپ نے اپنے دعوائے نگرانی و شہادت کو مختلف دلائل مشاہدات ؑ مستحکم کر دیا۔

اوّل حضور اس طرح عالم بالا میں رہتے ہوئے تمہارے نگراں و محافظ رہیں گے جس طرح آپ خطبہ دیتے وقت اپنے ممبر شریف سے عالم بالا میں حوض کوثر کا مشاہدہ فرما رہے تھے۔ عالم دنیا میں رہتے ہوئے عالم بالا بھی پیش نظر ہے۔

اور عالَم بالا کے قیام میں عالَم دُنیا نگاہوں کے سامنے رہے گا۔

دعوٰی حضور کی نگرانی ونگاہ صرف صحابۂ کرام تک محدود نہیں ہے جو اس خطبہ کے مخاطب ہیں۔ بلکہ ساری زمین اور جو کچھ اس میں ہے تا قیامت آپ کے سامنے رہیں گے کیونکہ" اُوْتِیْتُ مَفَاتِیْحَ الْاَرْضِ" (مجھے زمین کی کنجیاں دیدی گئی ہیں) سابقہ دعوے ہی کی تائید و دلیل ہے، لہٰذا آپ عالم و اہل عالم کے تمام معاملات سے پورا تعلق رکھتے ہیں۔

(ب) صحابۂ کرام یہ بھی جانتے تھے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی جہت سے جو جہت حسی تھی ہماری نگاہوں کو نور وضیا بخشتے ہیں۔ اور دوسری جہت سے ملاء اعلیٰ سے وابستہ رہتے ہیں۔

نزول وحی کی خاص کیفیت صرف قرآن مجید کے ساتھ وابستہ ہے حیاتِ ظاہری میں صلوٰۃ وسلام کی پیشی کے متعلق ان کو کوئی تردد نہ تھا خواہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو حالات صحابہ، بلکہ تمام اہل عالم کی اطلاع بعطائے الٰہی شہید ونگراں کی حیثیت سے ہوتی ہے یا فرشتوں کے واسطے اور معرفت سے جس بارگاہ کے پیش کار وکارپرداز، خبر رساں اور ہرکارے نورانی فرشتے ہوں اسکے صدر نشین کے اقتدار واختیار کی وسعت کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟

(ج) صحابۂ کرام نے اپنے سوال میں حیات برزخی اور حیات روحانی کے بارے میں کوئی وضاحت نہیں چاہی کیونکہ حیات ارواح اور حیاتِ برزخ تو سب کے نزدیک مسلّم

اور مانی ہوئی بات تھی۔ ان کا سوال حیات جسمانی کے متعلق ہوا۔ اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اسی پہلو کو اپنے اصحاب پر واضح فرمایا

"اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ"

بیشک اللہ نے حرام کر دیا زمین پر یہ کہ کھائے نبیوں کے اجسام کو

ورنہ حضور کی طرف سے جواب کا یہ انداز (معاذ اللہ) سراسر لغو اور بے ربط ہو جائے گا مطلب یہ ہے کہ آپ نے بتا دیا کہ تمہاری صلوات و تسلیمات کی پیشی میں بعد وفات بھی کوئی فرق نہیں آئے گا۔ کیونکہ روحانی حیثیت سے سب ہی انسان زندہ ہیں لیکن انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنے پاک و لطیف جسموں کے ساتھ زندہ رہتے ہیں۔ زمین ان کے مطہر جسموں سے بے ادبی نہیں کر سکتی۔ اگر یہ مفہوم قبول نہ کیا جائے تو صحابہ کرام کا سوال اور حضور کا جواب نا مربوط اور لغو ہو جائے گا

حدیث[۴۷]۔ قَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ مَنْ قَالَ جَزَی اللّٰہُ عَنَّا مُحَمَّدًا مَا ھُوَ اَھْلُہٗ

ترجمہ اللہ بدلہ دے ہماری طرف سے محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو ایسا بدلہ جو اُن کے لائق مقام و مناسب منصب ہو۔

حدیث[۴۸]۔ قَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ مَا مِنْ عَبْدَیْنِ مُتَحَابَّیْنِ یَسْتَقْبِلُ اَحَدُھُمَا صَاحِبَہٗ وَیُصَلِّیَانِ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَّا لَمْ یَتَفَرَّقَا حَتّٰی یُغْفَرَ لَھُمَا ذُنُوْبُھُمَا مَا تَقَدَّمَ مِنْھُمَا وَمَا تَاَخَّرَ۔

ترجمہ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے اللہ کے کوئی دو بندے آپس میں محبت رکھنے والے جب ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوں اور صلوٰۃ بھیجیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر مگر یہ کہ جدا ہونے سے پہلے ان دونوں کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔ (ابو یعلے)

اس حدیث سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں

۱ اوّل ایسے مومن جن پر عبدیت و بندگی کا اطلاق ہو یعنی فرائض کے پابند ہوں اور محرمات سے پرہیز کریں، ان کے حق میں صلوٰۃ وسلام مغفرۃ کا وسیلہ ہے

۲ دوم حلقہ کر کے صلوٰۃ وسلام پڑھنا جائز ہے بلکہ بہت بہتر ہے۔

لہٰذا جو لوگ درود شریف کے لیے اجتماع، حلقہ، اور محفل کے انعقاد کا انکار کرتے ہیں، غلطی پر ہیں۔ کیونکہ آمنے سامنے ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا فائدہ زیادہ ہے نیز قرآن مجید میں "صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا" دونوں جمع کے صیغے ہیں جو اجتماعی اور انفرادی دونوں طریقوں کو شامل ہیں اور یہ روایت مجتمع ہو کر درود خوانی کی تائید کرتی ہے لہٰذا قرآن کے ساتھ موافقت نے اس حدیث کی اہمیت اور بڑھا دی اور اجتماعی صلوٰۃ وسلام کے پہلو کو بہت زیادہ اجاگر کر دیا

دوسری روایتوں میں جو انفرادی صلوٰۃ وسلام کا ثبوت ملتا ہے وہ بھی جائز ہے۔ گویا مقصود بالذات صلوٰۃ وسلام ہیں اور اس کیلیے اجتماعی انفرادی دونوں طریقے مستحسن ہیں۔

کیوں نہ ہو نماز با جماعت میں ہم مجتمع ہو کر صلوٰۃ و سلام بھیجتے ہیں (تشہد و درود ابراہیمی) اور سنن و نوافل نمازوں میں الگ الگ جداگانہ صلوٰۃ و سلام عرض کرتے ہیں اس قاعدہ کلیہ کے تحت کہ تمام اعمال خیر اور نفلی عبادات کی اصل فرائض ہیں خارج نماز صلوٰۃ و سلام کے لیے نمازوں میں صلوٰۃ و سلام کا حکم طریقہ و عمل کی بنیاد و رہنما ہے۔

حدیث ۴۹۔ قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مَنْ قَالَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَاَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِيْ (بزار، طبرانی کبیر، طبرانی اوسط)

ترجمہ فرمایا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو کوئی کہے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَاَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اس کی شفاعت میرے ذمے ہو گئی۔ (بزار۔ طبرانی کبیر۔ طبرانی اوسط)

صلوٰۃ و سلام کے مختلف طریقوں اور کلموں کو جو حدیثوں میں وارد ہوئے ہیں آپ اپنے سامنے رکھیے اور دلائل الخیرات، اوراد فتحیہ اوراد اولیاء اللہ کے دیگر کتب وظائف میں مندرج صلوٰۃ و سلام کا ان سے مقابلہ کیجیے تو آپ پر روشن ہو جائے گا کہ جو لوگ دلائل الخیرات میں مندرجہ صلوٰۃ و سلام کے پڑھنے کو منع کرتے ہیں غلطی پر ہیں

کیونکہ ان کتابوں میں صلوات و تسلیمات کی بنیاد حدیثوں میں مروی کلمات

صلوٰۃ وسلام پڑھے نیز حدیثوں میں جو یہ عام حکم ملتا ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے میں تزئین سے کام لینا چاہیے وظائف اولیاء ان کے مطابق ہے۔ اگر ان وظیفوں کے جواز کے لیے اولیاء اللہ کے کشف والہام کو سند نہ بھی تسلیم کریں، پھر بھی کتب احادیث کی مرویات ان کو جائز قرار دینے کے لیے کافی ووافی ہیں۔

حدیث۔ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ تعالےٰ عَنْہُ قَالَ اِذَا صَلَّیْتُمْ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَحْسِنُوا الصَّلٰوۃَ فَاِنَّکُمْ لَا تَدْرُوْنَ لَعَلَّ ذَالِکَ یُعْرَضُ عَلَیْہِ فَقَالُوْا لَہٗ فَعَلِّمْنَا قَالَ قُوْلُوْا اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِکَ وَرَحْمَتَکَ وَبَرَکَاتِکَ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَاِمَامِ الْمُتَّقِیْنَ وَخَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ اِمَامِ الْخَیْرِ وَقَائِدِ وَرَسُوْلِ الرَّحْمَۃِ اَللّٰھُمَّ ابْعَثْہُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا یَغْبِطُہٗ بِہِ الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔" (رواہ ابن ماجۃ)

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا لوگو! جب تم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجو تو نہایت عمدہ اور شاندار طریقے پر درود بھیجو تمھیں نہیں معلوم کہ حضور کے سامنے اس کی پیشی کی امید ہے۔ لوگوں نے کہا پھر ہمیں درود سکھائیے! ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ تم یوں کہو

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتِكَ وَرَحْمَتَكَ وَبَرَكَاتِكَ الحدیث

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ صلوٰۃ و سلام میں تحسین و تزئین تعظیم و تفخیم، توقیر و تکریم کے خیال سے زیادہ سے زیادہ کلمات بڑھائے جا سکتے ہیں۔ اور ہر مرد مومن کو صلوٰۃ و سلام کے سلسلے میں تعظیمی کلمات کے اضافے کی اجازت ہے۔ کیونکہ حضرت ابن مسعود نے درود ابراہیمی پر جو کلمات اضافہ فرمائے ہیں، وہ ان کے اپنے ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم کردہ صلوٰۃ ابراہیمی میں یہ کلمات مروی نہیں ہیں۔

حدیث ۵۱۔ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كُلُّ دُعَاءٍ مَحْجُوبٌ حَتّٰى يُصَلّٰى عَلٰى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (طبرانی، ترمذی)

ترجمہ۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ ہر دعا حجاب رحمت وعظمت کے باہر رہتی ہے جب تک حضور سیدنا و مولانا محمدؐ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر درود شریف نہ بھیجا جائے

حدیث ۵۲۔ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ مَوْقُوْفًا قَالَ اِنَّ الدُّعَاءَ مَوْقُوْفٌ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ لَا يَصْعَدُ مِنْهُ شَيْءٌ حَتّٰى يُصَلّٰى عَلٰى نَبِيِّكَ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) (ترمذی)

ترجمہ۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا بیشک دعائیں آسمان و زمین کے درمیان معلق رہتی ہیں اور بارگاہ صمدیت تک ان میں سے کچھ بھی صعود نہیں کرتا یہاں تک کہ درود تمہارے نبی پر بھیجا جائے (صلے اللہ علیہ وسلم)

ان دونوں احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ قبولیت دعا کیلیے صلوٰۃ وسلام کا وسیلہ ضروری ہے۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو اعلان قرآنی اِلَیْہِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ (ہر کلمۂ پاکیزہ کی رسائی بارگاہ صمدیت تک ہے) کی حقیقی تجلی نظر آتی ہے۔ صلوٰۃ وسلام خود کلمۂ طیب ہیں جو حریم بارگاہ تک پہنچتے ہیں یا ان کے علاوہ کلمات کو اگر کلمۂ طیب قرار دیا جائے تو وہ سلام و صلوٰۃ کی رفاقت و شراکت میں امکان کی مسافت طے کر کے حریم وجوب تک رسائی حاصل کرتے اور مقبول ہوتے ہیں

شاید یہی وجہ ہے کہ اصل وحدانیت تو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کا اقرار و اعلان ہے مگر ہماری ان تصدیقات کو اللہ جل مجدہ تک صعود و عروج کے لیے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ (صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) کے اقرار کا انتظار رہتا ہے جب تک کوئی شخص لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کے ساتھ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ (صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) نہ کہے، اس کا اقرار توحید اللہ رب العزت کی بارگاہ تک پہنچکر مقبول نہیں ہوتا۔

یہی کیفیت اذان، اقامت اور نماز کی ہو بلکہ تمام عبادات میں یہ رنگ بہت گہرا نظر آتا ہے چنانچہ حج کا تکملہ زیارت روضۂ انور ہے۔ ارشاد ہوتا ہے "مَنْ حَجَّ الْبَیْتَ وَلَمْ یَزُرْنِیْ فَقَدْ جَفَانِیْ" (جسنے حج کیا اور مجھ سے ملاقات نہ کی اُسنے مجھ پر جفا کی)

قیام

ہمارا مشاہدہ ہے کہ صلوٰۃ وسلام سے جو لوگ کنارہ کشی رکھنے والے ہیں مختلف طرزِ عمل اختیار کرتے ہیں۔

اوّل کچھ لوگ تو ایسے ہیں کہ صلوٰۃ وسلام کی کثرت کے بدلے اپنے حلقۂ اثر میں توبہ واستغفار کی کثرت پر زور دیتے ہیں، اگر ان سے درود وسلام کے متعلق سوال کیا جاتا ہے تو اس کی تنقیص نہیں کرتے مگر سارا زور استغفار پر دیتے ہیں

دوم لفظوں میں صلوٰۃ وسلام کی فضیلت کا اقرار کرتے ہیں مگر عملی لحاظ سے کنارہ کش رہتے ہیں۔ اور بہ لطائف الحیل دوسروں کو بھی اس سے باز رکھتے ہیں چنانچہ اس گروہ ثانی کے بہانوں میں سے ایک بہانہ یہ بھی ہے کہ صلوٰۃ اور سلام کی محفلوں سے کنارہ کشی کا سبب وہاں کا مروجہ قیام ہے جسے وہ لوگ بدعت کہتے ہیں۔ حالانکہ قیام ان کی نگاہ میں اگر بدعت وضلال ہے تو اپنے اپنے حلقۂ اثر میں بیٹھ کر ہی سہی صلوٰۃ وسلام کے حلقے قائم کر سکتے تھے۔ مگر وہ ایسا نہیں کرتے۔ کیونکہ ان کے نزدیک قیام کی طرح شاید قعود بھی بدعت ہے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن وحدیث کے ارشادات کی روشنی میں صلوٰۃ وسلام کی مداومت وکثرت درود خوانی کے حلقہ ومحفل کا قیام بہت بہتر ہے گویا کہ، ایسا فرمانِ الٰہی ہے جو نہ بصورت قیام وقعود درست اور نہ لیٹ کر روا۔ اسی لیے ان لوگوں نے

صلوٰۃ وسلام معمول و مروج نہیں ہے۔

حکم قیام کی حقیقت

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں ہم بتا چکے ہیں کہ تمام نفلی عبادات کی اصل فرائض ہیں۔ لہٰذا ہم نمازوں کو دیکھتے ہیں تو ان میں قیام و قعود دونوں صورتوں میں صلوٰۃ و سلام کی بنیادیں ملتی ہیں۔

قنوت حسن میں بحالت قیام درود شریف کی تعلیم ہے اور نماز جنازہ میں دست بستہ بحالت قیام درود شریف کا حکم ہے۔

اسی طرح قعدہ نماز میں تشہد و درود کی تعلیم ہے جو سلام و صلوٰۃ پر مشتمل ہیں۔ خود قیام تعظیمی از روئے حدیث مطلق حرام نہیں ہے بلکہ اس کی حرمت مقید ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

حدیث[۵۳] عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُتَّکِئًا عَلٰی عَصًا فَقُمْنَا لَہٗ فَقَالَ لَا تَقُوْمُوْا کَمَا یَقُوْمُ الْاَعَاجِمُ یعظمُ بَعْضُھَا بَعْضًا (ابو داؤد - ابن ماجہ)

ترجمہ ابو امامہ راوی ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نکلے اپنے عصا پر ٹیک لگائے تو ہم سب آپ کے لیے کھڑے ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ نہ کھڑے ہو تم سب اس طرح جیسے کہ اہل عجم کھڑے ہوتے ہیں ایک دوسرے کی تعظیم میں۔

اس روایت میں ممانعت کی علت عجمیوں کے قیام کی مماثلت ہے۔ جو قیام عجمی مماثلت سے پاک ہو اس ممانعت کی گرفت میں نہیں آتا۔

عجمیوں کے قیام کا انداز یہ ہوتا ہے کہ اپنے سردار، بادشاہ یا مذہبی پیشوا کے سامنے دست بستہ کھڑے رہتے ہیں اور مجلس برخاست ہونے تک کبھی نہیں بیٹھتے اور چند خواص جو اونچے مرتبے والے ہیں وہ مؤدب بیٹھتے تو ہیں مگر سردار کے ہر قیام و قعود کے ساتھ بار بار اُٹھتے ہیں۔ ان کی معاشرت میں یہ جرم ہے کہ سردار کھڑا ہو اور لوگ بیٹھے رہیں خواہ سردار کو بیسیوں بار ایک ہی مجلس میں کھڑا ہونا پڑے۔ سب کے سب اس کی تعظیم میں بار بار کھڑے ہوں گے۔

ممانعت کی دوسری علت تکبر ہے۔ ارشاد ہے۔

حدیث۔ عَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَّتَمَثَّلَ لَهُ الرِّجَالُ قِيَامًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ

(ترمذی۔ ابوداؤد)

ترجمہ۔ حضرت معاویہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو اس بات سے مسرت ہوتی ہو کہ لوگ کھڑے ہو کر اس کو تعظیم دیں تو ایسے متکبر کو جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنانا چاہیے۔

لہٰذا جو قیام تکبر و تبختر سے پاک ہو تو وہ قیام ممانعت کی زد میں نہیں آتا۔

ٹھیک اسکے مقابل وہ روایتیں ہیں جن سے قیام کا ثبوت ملتا ہے۔

حدیث ۵۵ - عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ رضی اللہ تعالےٰ عنہ لَمَّا نَزَلَتْ بَنُوْ قُرَیْظَۃَ عَلٰی حُکْمِ سَعْدٍ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَیْہِ وَکَانَ قَرِیْبًا مِّنْہُ فَجَآءَ عَلٰی حِمَارٍ فَلَمَّا دَنٰی مِنَ الْمَسْجِدِ قَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ لِلْاَنْصَارِ قُوْمُوْا اِلٰی سَیِّدِکُمْ

(بخاری، مسلم، ابوداؤد)

ترجمہ۔ ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب بنو قریظہ (قبیلۂ یہود) حضرت سعد بن معاذ کی ثالثی کو قبول کرکے اپنے قلعہ سے اترے تو آپ نے سعد بن معاذ کو بلا بھیجا جو قریب ہی کی آبادی میں تھے، تو وہ اپنے مرکب پر آئے اور جب مسجد کے قریب پہنچے تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے تمام انصاریوں سے کہا کہ اپنے سردار کے لیے کھڑے ہو جاؤ (بخاری، مسلم، ابوداؤد)

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صاحب فضل کی تعظیم کیلیے مسجد میں بھی کھڑے ہو سکتے ہیں۔ اس حدیث سے سیدنا سعد بن معاذ کیلیے قیام تعظیمی کا حکم ہے جو انصاری تعظیم کو نہ اُٹھتے، گنہ گار ہوتے کیونکہ فرمان رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے مگر دوسروں کے حق میں قیام تعظیمی کا جواز ثابت ہوتا ہے اگر قیام تعظیمی مطلقًا شرک و بدعت ہوتا تو حضرت سعد بن معاذ کی اس طرح تعظیم کا فرمان نہیں صادر ہوتا۔

حدیث ۵۶ - عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَجْلِسُ مَعَنَا فِی الْمَسْجِدِ یُحَدِّثُنَا فَاِذَا قَامَ قُمْنَا قِیَامًا حَتّٰی نَرَاہُ

قَدْ دَخَلَ بَعْضَ بُیُوْتِ اَزْوَاجِہٖ (بحوالہ مشکوٰۃ شریف)

ترجمہ ۔ ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مسجد (نبوی) میں ہم لوگوں کے ساتھ بیٹھتے اور گفتگو فرماتے ۔ پس جب آپ کھڑے ہوتے تو ہم لوگ بھی کھڑے ہو جاتے اور اتنی دیر کھڑے رہتے کہ ہم سب آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھ لیتے کہ امہات المومنین کے حجروں میں سے کسی حرم سرا میں داخل ہو گئے ۔

اس روایت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم میں کھڑا ہونا اور تا دیر کھڑا رہنا ثابت ہے لہٰذا اگر قیام تعظیمی بہ ہمہ حال بدعت وشرک ہوتا تو نہ صحابہ اس کو اختیار کرتے اور نہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اسکی اجازت دیتے

حدیث ۔ قَالَتْ عَائِشَۃُ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا مَا رَأَیْتُ اَحَدًا اَشْبَہَ سَمْتًا وَدَلًّا وَھَدْیًا بِرَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ فَاطِمَۃَ کَرَّمَ اللہُ وَجْہَہَا فَکَانَتْ اِذَا دَخَلَتْ عَلَیْہِ قَامَ اِلَیْہَا فَاَخَذَ بِیَدِھَا فَقَبَّلَہَا وَاَجْلَسَہَا فِیْ مَجْلِسِہٖ وَکَانَ اِذَا دَخَلَ عَلَیْہَا قَامَتْ اِلَیْہِ فَاَخَذَتْ بِیَدِہٖ فَقَبَّلَتْہُ وَاَجْلَسَتْہُ فِیْ مَجْلِسِہَا

ترجمہ ۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ فاطمہ سے زیادہ کوئی چال ڈھال، طرز انداز میں رسول مقبول صلے اللہ علیہ وعلیہما وسلم کے مشابہ نہ تھا جب وہ آستانۂ رسالت پر پہونچتیں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام انکے لیے کھڑے ہو جاتے ان کا ہاتھ چومتے اور اپنی جگہ عرش نبوت پر بٹھاتے ۔ اور جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

اُن کے گھر تشریف لے جاتے تو وہ کھڑی ہو جاتیں، دست بوسی کرتیں، اور خاص اپنی جگہ پر بٹھاتیں

پہلی دو روایات مذکورہ کی بنا پر بعض محدثین قیام تعظیمی کو مکروہ کہتے ہیں مگر جمہور محدثین اور ان کی اکثریت کا فیصلہ ہے کہ اِنَّ الْقِیَامَ لِاَھْلِ الْفَضْلِ مُسْتَحَبٌّ لِلْحَدِیْثَیْنِ عَنْ عَائِشَۃَ وَاَبِیْ سَعِیْدٍ وَلِعَمَلِ السَّلَفِ وَالْخَلَفِ عَنِ الْقِیَامِ مِنْ غَیْرِ نَکِیْرٍ (ترجمہ) صاحبانِ فضل کی تعظیم میں کھڑا ہونا مستحب ہے۔ کیونکہ حضرت ابوسعید اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دونوں حدیثیں بالکل واضح ہیں اور اس مسئلے سے متعلق سب سے زیادہ قوی اور صحیح روایتیں ہیں

نیز قیامِ تعظیمی سلف و خلف کا معمول رہا ہے اور کسی طرف سے انکار نہیں ہوا

رہیں وہ روایتیں جن کی روشنی میں بعض علما ر قیام تعظیمی کو مکروہ کہتے ہیں اور وہ سطور بالا میں درج کر دی گئی ہیں۔ ان روایتوں کی مدد سے قیام تعظیمی کو مکروہ کہنا جمہور علمار و محدثین کے نزدیک درست نہیں ہے۔

کیونکہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت جو ابوداؤد نے بیان کی ہے، محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ اور اس کی سند میں ابوغالب نامی ایک راوی ہے جسکی روایت محدثین کے نزدیک معتبر نہیں ہے۔ وہ شخص منکر الروایۃ اور امام نسائی کے نزدیک ضعیف الروایۃ ہے۔

اور ابومجلز رض کی روایت سے قیام تعظیمی کی کراہت یوں ثابت نہیں ہوتی

کہ اس میں متکبرین کو ملامت کی گئی ہے۔ قیام کرنیوالوں کے حق میں کچھ نہیں کہا گیا۔
حیرت ہے کہ جن بعض عالموں نے قیام تعظیمی کو ناپسند کیا، اگرچہ حدیث کے اعتبار سے ان کی بات کمزور ہے، پھر بھی قیام تعظیمی کی کراہت تک محدود رہا مگر آج کے کم علم حضرات جو نہ اچھی طرح قرآن سے واقف نہ احادیثوں سے آگاہ قیام تعظیمی کو شرک و بدعت کہنے سے نہیں شرماتے۔

قرآن مجید کا ارشاد ہے۔

ذٰلِكَ وَمَن يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِن تَقْوَى الْقُلُوبِ

اللہ تبارک وتعالےٰ کی نشانیوں کی تعظیم دلیل تقویٰ و کمال ایمان ہے

خانہ کعبہ کو دیکھ کر کھڑا ہونا، صفا و مروہ کی تعظیم مصحف شریف کو لاتے ہوئے دیکھ کر کھڑا ہونا۔ (اتقان سیوطی) آب زمزم کھڑے ہو کر پینا، قربانی کے جانوروں کی تعظیم تو شریعت میں قرآن و حدیث اور فقہ سے ثابت ہے لیکن مومن، اور مومن بھی صاحب فضل مومن کے لیے قیام تعظیمی مکروہ، شرک و بدعت ہو سخت حیرت کی بات ہے۔ مومن تو حرم بلکہ کعبہ سے بھی افضل ہے۔ جیسا کہ عبداللہ بن عمر نے کعبۂ مکرمہ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"مَا أَعْظَمَكِ وَأَعْظَمَ حُرْمَتَكِ وَالْمُؤْمِنُ أَعْظَمُ عِندَ اللَّهِ مِنكِ"

تو کیا ہی عظمت والا ہے تیری حرمت بہت بڑی ہے، مگر مومن اللہ کے نزدیک تجھ سے زیادہ عظمت والا ہے۔

حضرت سعد بن معاذ کے لیے قیام تعظیمی ان کی فضیلت و بزرگی سرداری و پیشوائی کی وجہ سے تھا

اور جناب فاطمہ زہرا رض کے لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قیام محبت کی وجہ سے تھا
اور حضرت سیدہ کا قیام حضور علیہ السلام کے لیے دونوں حیثیتوں کو شامل ہے
محبت والفت کی وجہ سے بھی اور عظمت وجلالت اور شان نبوت کی وجہ سے بھی
جو لوگ کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں ان کا بھی یہی حال ہے
یعنی محبت والفت اور تعظیم وتکریم دونوں مقصود ہیں۔ اور کسی صاحب فضل کو
سلام کرنے کا بہتر طریقہ تو یہی ہے کھڑے ہو کر خطاب کر کے اسے سلام کیا جائے
اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صاحب فضل بلکہ مصدر فضل ہونے میں کسی
مؤمن کو شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے لہٰذا حکم قرآنی "صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا"
کی تعمیل اگر کھڑے ہو کر کی جائے تو اس کے پسندیدہ اور مستحب ہونے میں کیا کلام ہے؟

اس سے بحث نہیں کہ سلام کرتے وقت حضور علیہ السلام کو اپنے نزدیک
حاضر سمجھیں یا غائب۔ جو لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حاضر وناظر سمجھتے ہیں
اور متعدد حدیثوں سے وہ اپنے اس عقیدے کو ثابت بھی کرتے ہیں، ان کے لئے
قیام تعظیمی وسلام مخاطب میں کوئی الجھن نہیں ہے۔ اور جو لوگ حضور
علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حاضر وناظر نہیں مانتے کم ازکم دو باتوں کے تو وہ بھی قائل ہیں

اوّل جس طرح سلامی سلام عرض کرے گا، فرشتے بارگاہ نبوت ورسالت تک
اسی طرح پہنچا دیں گے۔

دوم۔ سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم ہر مؤمن کے خیال دل تصور میں ہمیشہ

حاضر ہیں، ورنہ ایمان کی نفی ہوجائے گی۔ اور جس کسی کو ہم اپنے تصور، خیال، اور دل میں حاضر قرار دیں اس کو سلام بھی کرسکتے ہیں، اور گفتگو بھی کرسکتے ہیں شرک و بدعت یا کراہت کی تو کوئی بات ہی نہیں ہے۔ تصور انسانی میں تو وہ قوت و قدرت ہے کہ آن واحد میں عرش و کرسی، لوح و قلم کو گھیر لیتا ہے۔

بعض حضرات حدیثوں کو دیکھ کر مجبور ہو جاتے ہیں اور قیام تعظیمی کے خلاف لب کشائی سے باز رہتے ہیں مگر صلوٰۃ وسلام سے کنارہ کشی کے لیے خاص ذکر ولادت کے وقت قیام تعظیمی کو عذر بناتے ہیں حالانکہ یہ بھی کوئی بات نہیں ہے۔ اگر ان کو صلوٰۃ وسلام سے انکار نہیں ہے تو اپنے اپنے حلقے میں صلوٰۃ وسلام کی محفلیں منعقد کریں، قیام نہ کریں، یا ذکر ولادت کے وقت نہ بھی اول یا آخر میں قیام کریں۔ ذکر بعثت، ذکر معراج، ذکر ہجرت کسی وقت بھی قیام کریں، یہ کون سی بات ہے جس پر جھگڑے ہوں اور صلوٰۃ وسلام کی نعمت سے محرومی کو گوارہ کیا جائے۔

ولادت کے وقت جو شرق و غرب میں زمانۂ قدیم سے قیام تعظیمی رائج ہے تو یہ اپنے اپنے احساسات ہیں۔ ابتدا میں تمام علمائے امت نے اس قیام تعظیمی کو بہ نظر استحسان دیکھا، بعد میں کچھ لوگوں نے اختلاف کیا، اور آج بھی جمہور امت یعنی سواد اعظم کا یہ قیام معمول ہے۔ منکرین قیام کا کوئی خاص شمار نہیں۔ وہ جماعت سے کٹ کر علیحدہ ہوگئے ہیں۔ وہ اقلیت و شذوذ میں ہیں۔

اور ذکر ولادت کے وقت قیام تعظیمی کے متعلق اپنی طرف سے بے سر و پا باتیں بیان کرتے ہیں کہ قیام کرنے والوں کا عقیدہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت ابھی ہوئی ہے وغیرہ وغیرہ، "هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ" یہ محض افترا ہے۔

حقیقت صرف اتنی ہے کہ صلوٰۃ وسلام کی جو تعلیم ملی ہے اور فرائض میں صلوٰۃ وسلام کی جو نظیریں ہیں، وہ بہ حالت قیام اور بحالت قعود دونوں طرح صلوٰۃ وسلام کا طریقہ سکھاتی ہیں۔

اُمتِ مسلمہ ذکر پاک کی محفلوں میں دونوں حالت میں صلوٰۃ وسلام پیش کرنا اپنی سعادت سمجھتی ہے۔ لہذا ذکر کے تمام پہلوؤں میں ذکر ولادت کے وقت قیام زیادہ مناسب حال وموافق مقام معلوم ہوتا ہے، ورنہ یہ الزام کہ لوگ اس خاص ذکر کے وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اور معاذ اللہ ہندوؤں کی طرح کنھیا کا جنم تصور کرتے ہیں یہ ایسے الزامات ہیں جنکی توقع ایک مسلمان کی طرف سے دوسرے مسلمان کیخلاف نہیں کیجا سکتی۔

مصنف کے معروضات

کسی صاحب ایمان کے لیے صلوٰۃ وسلام کے متعلق صرف ایک حدیث کافی ہے لیکن گزشتہ صفحات میں قرآن کا فرمان اور تقریباً پچاس احادیث کتابوں کے حوالے کے ساتھ درج کر دی گئیں تاکہ بدقسمتی سے جو نزاعات پیدا ہو گئے ہیں ان کا ازالہ ہو

اور آئندہ کے لیے سد باب ۔ صلوٰۃ و سلام کتنا پسندیدہ و مستحسن فعل ہے اس کا اندازہ صرف اس ایک بات سے کیا جا سکتا ہے کہ اس عمل خیر و سعادت کی ترغیب و تشویق کے لیے ابھی صدہا احادیث ایسی ہیں جن کا اندراج اس کتاب میں نہیں ہوا تاکہ قارئین بآسانی مطالعہ کر سکیں ، اور ضخامت ان کے شوق میں حائل نہ ہو ۔ اس کتاب میں علمائے ربانی اور اولیاء رحمانی کے مشاہدات ، تجربات اور ہدایات سے کوئی بحث نہیں کی گئی ہے ورنہ صلوٰۃ و سلام کے فیوض و برکات ، انوار و تجلیات کے بارے میں آج چودہ سو سال سے ہر دور میں لاکھوں مقدسین نے جو کچھ کہا اور لکھا ہے ان کا احاطہ مشکل ضرور ہے

مختصر یہ ہے کہ ایمان نام ہے اللہ اور اس کے رسول کی سچی محبت اور کامل وابستگی کا ۔ اور اظہار محبت کے مختلف طریقوں میں سب سے زیادہ عام اور متفق علیہ طریقہ محبوب کے ذکر کی کثرت ہے ۔ مَنْ اَحَبَّ شَیْئًا فَاَکْثَرَ ذِکْرَہٗ (محب اپنے محبوب کا کثرت سے ذکر کرتا ہے) اسی لیے اللہ رب العزت کے ذکر سے جو محبوب حقیقی ہے کسی قلب مومن کو کبھی غافل نہیں ہونا چاہیے اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے ہر آن و ہمہ حال اللہ رب العزت کو یاد کرتے رہنا ایمان کا تقاضا ہے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت اور ان کا ذکر جمیل فریضۂ ایمانی ہے اللہ کا حکم ہے نیز اللہ نے اپنے ذکر کے ساتھ دوامًا اپنے حبیب کے ذکر کو جزو لازم بنا دیا ارشاد ہے " اِذَا ذُکِرْتُ ذُکِرْتَ مَعِیْ " (جب میرا ذکر ہو تو آپ بھی ذکر کیے جائینگے)

نیز اعلان ہے اِنَّمَا جَعَلْتُ ذِکْرَكَ ذِکْرِی (اے حبیب آپکے ذکر کو میں نے اپنا ذکر ٹھیرایا ہے)

محبت کے بارے میں ارشاد ہے لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ

مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَنَفْسِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ (تم میں کوئی مؤمن نہیں ہوتا

جبتک میں ساری کائنات سے زیادہ اس کو محبوب نہو جاؤں) اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ

مِنْ اَنْفُسِھِمْ (نبی مومنین کی اپنی جانوں سے زیادہ محبوب تر، قریب تر اور

بزرگترین ولی ہیں) لہذا صلوٰۃ و سلام ذکر رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہ برگزیدہ

طریقہ ہے جو اللہ رب العزت کو بے حد محبوب ہے مومنوں کو اس پر کاربند رہنا چاہئے

اس سلسلہ میں راقم الحروف کی چند معروضات ہیں امید ہی کہ اہل سعادت قبول کرینگے

اول حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو کوئی کسی بھولی ہوئی سنت کو

دوبارہ جاری کردے، اور دین کی کسی ہدایت کو زندہ کردے تو اس کو شہیدوں کا

ثواب ملتا ہے اور آئندہ جو لوگ اس کی یاد دلائی ہوئی سنت پر عمل پیرا

ہوں گے ان کی تعمیل سے بھی سنت کو زندہ کرنے والا المضاعف ثواب پاتا رہیگا

اس قاعدہ کلیہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے تمام مسلمانوں کو ہم یاد دلاتے ہیں کہ

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا یَقُوْلُ

ثُمَّ صَلُّوْا عَلَیَّ فَاِنَّہٗ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلوٰۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ بِھَا عَشْرًا

ثُمَّ سَلُوا اللّٰہَ لِیَ الْوَسِیْلَۃَ فَاِنَّھَا مَنْزِلَۃٌ فِی الْجَنَّۃِ لَا تَنْبَغِیْ اِلَّا لِعَبْدٍ

مِنْ عِبَادِ اللّٰہِ وَاَرْجُوْاَنْ اَکُوْنَ اَنَا ھُوَفَمَنْ سَأَلَ لِیَ الْوَسِیْلَۃَ حَلَّتْ عَلَیْہِ الشَّفَاعَۃُ

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص راوی ہیں کہ حضور نے فرمایا

جب تم مؤذن کو سنو تو مؤذن کی طرح تم بھی کہو! بعدہ مجھ پر درود بھیجو! کیونکہ جو کوئی مجھ پر ایک بار درود بھیجے اللہ اس کے بدلے دس بار درود اس پر بھیجتا ہے۔ بعدہ اللہ سے میرے لیے وسیلہ کی دعا مانگو! وہ ایک درجہ ہے جنت میں جو اللہ کے ایک بندے کے لیے معین ہے اور امید کرتا ہوں کہ وہ بندہ میں ہوں تو جس نے میرے لیے اللہ سے وسیلہ چاہا شفاعت کا مستحق ہوگیا

آج کل عوام و خواص اس حدیث سے غافل ہیں حدیث میں فرمان یہ ہے کہ

(الف) فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا یَقُوْلُ (المؤذن) یعنی اذان کی آواز سن کر جس طرح مؤذن کہے تم بھی کہو۔ اس جگہ مثل کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ مؤذن کی طرح تمام سامعین بھی بلند آواز سے اذان کے کلمات دہرائیں، بلکہ تمام محدثین و فقہا مثل کا مفہوم صرف کلمات تک محدود رکھتے ہیں۔ اور یہی معمول و مناسب ہے،

(ب) ثُمَّ صَلُّوْا عَلَیَّ جب اذان و جواب اذان ختم ہو جائے تو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا چاہیے۔

(ج) ثُمَّ سَلُوا (اللّٰہَ) لِیَ الْوَسِیْلَۃَ (بعدہ دعائے وسیلہ مانگنی چاہیے)

اذان سے متعلق ان تین احکام میں سے عموماً اول و آخر دو حکموں پر لوگ عمل کرتے ہیں ختم اذان کے بعد دعائے وسیلہ مانگتے ہیں حالانکہ اذان و دعائے وسیلہ

کے درمیان صلوٰۃ کا حکم ہے لہٰذا اس سنت کو دوبارہ زندہ کرنا چاہیے اور بعد اذان صلوٰۃ کو رائج کرنا چاہیے۔

زمانہ قدیم سے جامع دمشق میں رائج ہے کہ قبل اذان مؤذن صلوٰۃ وسلام پکارتے ہیں، علمائے اعلام میں سے کسی نے اس کو موقوف نہیں کرایا۔ ہندوستان و پاکستان میں بھی بعض مساجد میں اذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام رائج ہیں۔

مگر زیب عنوان حدیث میں بعد اذان صلوٰۃ کا حکم ہے اگر لوگ قبل اذان صلوٰۃ پکارتے ہیں تو شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ کیونکہ صلوٰۃ وسلام کی اہمیت اپنی جگہ مسلم و ثابت ہے اور شریعت نے اس فریضہ کی بجا آوری میں امت مرحومہ کو وقت و طریقے کا پابند نہیں کیا ہے لہٰذا ہمہ وقت سلام وصلوٰۃ درست و پسندیدہ ہیں۔ ہاں جن اوقات میں صلوٰۃ وسلام پر خصوصی زور دیا گیا ہو اور حدیثوں میں اہمیت آئی ہے وہ مواقع صلوٰۃ وسلام کیلیے ہمیشہ اہم رہیں گے

پیش نظر حدیث میں بعد اذان دعائے وسیلہ سے پہلے صلوٰۃ کا حکم ہے لہٰذا اس کی رعایت کی اہمیت ضرور ہے البتہ یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ بعد اذان صلوٰۃ وسلام اذان کی طرح بلند آواز سے پکارے جائیں یا صرف جہراً یا سراً؟ سو شریعت میں اس کے متعلق کوئی وضاحت نہیں ہے لہٰذا جب قرآن وسنت نے کسی خاص طرز و انداز کو مقرر نہیں کیا تو امت کو اختیار ہے کہ اس حکم کو بجالانے کے لیے جو طریقہ بھی پسند کرے جائز ہے۔

بعض محدثین جواب اذان کے بارے میں جہر کو ترجیح دیتے ہیں لہذا صلوٰۃ و سلام بھی جہرًا مرجح رہیں گے۔ اس سلسلہ میں بہتر فیصلہ یہی ہو سکتا ہے کہ جو لوگ آہستہ آہستہ اذان کا جواب دیں اور شہادتین میں آہستہ حضور اکرم علیہ السلام کا نام پاک لیں وہ آہستہ ہی صلوٰۃ و سلام بھیجیں کہ پیش نظر حدیث اور حدیث وعید مذکور سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔ اور جو لوگ کھلی آواز سے اذان کا جواب دیتے رہے اور کھلی آواز سے شہادتین میں حضور کا نام لیں وہ کھلی آواز میں صلوٰۃ و سلام بھیجیں۔

اور جو لوگ بہ آواز بلند (مثلاً مؤذن) حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام پاک لیں، وہ بلند آواز سے صلوٰۃ و سلام بھیجیں۔ اس سے ایک دوسرا فائدہ یہ بھی ہوگا کہ جو لوگ اس حکم سے غافل ہیں ان کی غفلت دور ہو جائے گی اور نام پاک کے ذکر اور صلوٰۃ و سلام کی آواز میں توازن قائم رہے گا۔ ممکن ہے بعض حضرات کی طرف سے یہ بہانہ پیش کیا جائے کہ مؤذن اگر اذان کے بعد صلوٰۃ و سلام پکاریں گے تو کلمات اذان میں اضافہ و تحریف کا شبہ پیدا ہوگا۔

یہ اعتراض و شبہ بے بنیاد ہے کیونکہ مقررہ اعمال و کلمات میں کمی بیشی کا خطرہ عہدِ رسالت میں تھا۔ آپ کے بعد اس کی گنجائش نہیں ہے۔ بالخصوص صحابہ کے بعد تو سرے سے ایسے شبہات کی کوئی راہ پیدا ہی نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ عہد رسالت میں حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی اذان کی وجہ سے آج بھی امت محمدیہ میں ترجیع مختلف فیہ ہے مگر حضور علیہ السلام کے بعد کمی بیشی کا دروازہ بند ہو چکا ہے

دوم۔ اہل ایمان سے التماس ہے کہ ہر کارے بعد نماز جمعہ صرف دس منٹ کے لیے گھڑی دیکھ کر درود خوانی کا حلقہ قائم کریں۔ اس طرح کئی ہزار درود مل کر وہ روزانہ پڑھیں گے اور اسکے فیوض و برکات سے سرفراز ہونگے۔ جو لوگ درود شریف سے غافل ہیں وہ بھی اس اجتماعی برکت و سعادت میں شرکت کر کے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور اللہ سبحانہٗ کا تقرب حاصل کرینگے

سوم۔ ہم اپنے قارئین کے سامنے یہ التجا کرتے ہیں کہ جو لوگ اس کتاب کو پڑھیں وہ ختم کتاب کے بعد کم از کم گیارہ بار صلوٰۃ وسلام پڑھ کر اس کا ثواب اور اثنائے کتاب میں حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام پاک کے ذکر کے وقت جو صلوٰۃ وسلام انہوں نے بھیجا ہے ان سب کا ثواب راقم الحروف کو اس کے اساتذہ کو اس کے تلامذہ کو اس کے آباؤ امہات کو اور تمام اعزا و احباب کو اور ان تمام حضرات کو جو اس کتاب کو پڑھ کر راقم الحروف کو صلوٰۃ وسلام کا ثواب ایصال کرنے والے ہیں اور کل مومنین و مومنات اور مسلمین و مسلمات کو بخش دیں۔

وَمَا علینا الا البلاغ المبین

والحمد للہ رب العلمین

والصّلوٰۃ والسّلام علےٰ حبیبہ الکریم

وآلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین

بندۂ آثم سیّد محمّد ہاشم عفی عنہ یوم دوشنبہ ۱۱ رشعبان ۱۳۷۷ھ